146

مسلکِ اعتدال اور فہمِ سلفِ صالحین کا ترجمان

ماہنامہ
اشاعۃ الحدیث
حضرو، لاہور

جلد: 14 | جمادی الثانی / رجب 1442 - فروری 2021 | شمارہ: 2

بانی
محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حدیث پر اعتراضات مختلف ادوار میں ملاحظہ فرمائیے، آپ کو تعجب ہوگا کہ ایک عقل پرست اسے خلاف عقل کہتا ہے، دوسرا اسے اقتضائے وقت کے مطابق سمجھ کر استدلال کرتا ہے، ایک صاحب احادیث کو قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں، دوسرے ان کے ہم پایا اور ہم پیشہ صحیح اور عقل کے بالکل مطابق سمجھتے رہے۔ ان علم و عقل کے یتامی اور مساکین کا ہمیشہ سے یہی حال رہا، اپنی بے علمیوں اور بد عملیوں کو چھپانے کے لئے سنت پر اعتراضات کر ڈالتے ہیں، لیکن اتنا نہیں سوچتے کہ تمہارے علم و عقل کو معیار کی سند کس نے دی ہے۔''

[مقدمہ: نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری، ص ۲۵]

مکتبۃ الحدیث

اس شمارے میں

تفسیر سورۂ مائدہ (آیت: ۴۴)

ابوظفیر محمد ندیم ظہیر

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ‌ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ‌ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ‌ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴾ ''بلا شبہ ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، انبیاء اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے وہ جو مطیع وفرماں بردار تھے (اللہ کے) واسطے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے اور (فیصلہ کرتے تھے) اللہ والے اور علماء، کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس تم لوگوں سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے عوض میں نہ بیچو، اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

فقہ القرآن:

* سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے ایک یہودی کو گزارا گیا جس کا منہ کالا کیا ہوا تھا، اسے کوڑے مارے گئے تھے۔ آپ نے انھیں بلا کر فرمایا: ''کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں، چنانچہ آپ نے ان کے علماء میں سے ایک آدمی کو بلایا اور فرمایا: ''میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی! کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، اور اگر آپ مجھے قسم نہ دیتے تو میں آپ کو نہ بتاتا۔ ہم اس (تورات) میں رجم (کی سزا ہی) پاتے ہیں، لیکن (زنا) ہمارے اَشراف میں بہت بڑھ چکا ہے، لہٰذا ہم جب کسی معزز کو پکڑتے تو چھوڑ دیتے تھے اور

جب کسی کمزور کو پکڑ لیتے، اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ ہم نے (آپس میں مشورہ کرتے ہوئے) کہا: آؤ کسی ایسی چیز (سزا) پر متفق ہو جائیں کہ اسے ہم معزز اور کم حیثیت آدمی (دونوں) پر قائم کر سکیں، چنانچہ ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر لی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کا اَحیا کیا، جبکہ انھوں نے استیصال (مُردہ) کر دیا تھا۔ بعدازاں آپ نے اس (یہودی زانی) سے متعلق حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا، پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ یہاں تک: ﴿اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ﴾ ''اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کریں جو کفر میں دوڑ کر جاتے ہیں...... (یہی حکم) دیا جائے تو لے لو۔'' (المائدہ:٤١)

(ان کا بڑا) کہنے لگا: محمد ﷺ کے پاس چلو، پھر اگر تمھیں یہی منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے والا حکم دیں تو اسے اختیار کر لیں اور اگر رجم کا فتویٰ دیں تو احتراز کرو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ: ٤٤) ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدة: ٤٥) ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدة: ٤٧) یہ ساری آیات کفار سے متعلق ہیں۔ (صحيح مسلم: ١٧٠٠/ ٤٤٤٠)

مذکورہ حدیث کو زیرِ تفسیر آیت کا شانِ نزول قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اَسلاف میں سے ایک جماعت اسے کفار کے ساتھ خاص سمجھتی ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ سے ﴿الْفٰسِقُوْنَ﴾ تک یہ تینوں آیات یہودیوں کے قبائل بالخصوص قریظہ اور بنونضیر سے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ (سنن أبي داود: ٣٥٧٦ وسنده حسن)

واضح رہے کہ شانِ نزول سے متعلق روایات میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے،

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ دو سبب ایک وقت میں مجتمع ہو جائیں اور اسی سبب آیات نازل ہوئیں جو دونوں موقعوں کو کفایت کر گئیں۔ واللہ اعلم

* ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ ہم نے تورات نازل فرمائی، یعنی وہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا اور اللہ نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی (ایک ملاقات میں) تکرار ہوئی...... تو آدم علیہ السلام نے ان (موسیٰ علیہ السلام) سے فرمایا: ((يَا مُوْسٰى! اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ وَ خَطَّ لَكَ بِيَدِهِ......)) اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلام کے لیے منتخب کیا اور آپ کے لیے اپنے ہاتھ سے (تورات کو) لکھا۔'' (صحيح البخاري: ٦٦١٤)

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر چیز سے متعلق (نصیحت و تفصیل) لکھ دی۔''

(الاعراف: ١٤٥)

امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم نے تورات نازل فرمائی (سے مراد ہے یہ کہ) اِس میں اُس کا بیان و توضیح موجود ہے جس کی بابت یہود نے آپ سے سوال کیا، یعنی دو شادی شدہ زانیوں سے متعلق جو حکم ہے۔ (تفسير طبري: ٤/ ٥٤٥)

* ﴿فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾ یعنی تورات ایمان اور حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور گمراہی سے بچاتی ہے (اور روشنی ہے) یعنی ظلم و جہالت، شک و حیرت اور شبہات و شہوات کی تاریکیوں میں اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾

''اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل میں فرق کرنے والی، روشنی عطا کرنے والی اور اہل تقویٰ کو نصیحت کرنے والی کتاب عطا کی۔'' (تفسير السعدي ١/ ٦٨٨)

نیز ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن ابی حاتم (۴/ ۱۱۳۸)

جس حکم سے یہودیوں نے التباس کیا اس کی ضیاء اور ان پر جو مخفی رہا اس کی جلا

اسی تورات میں تھی۔ (تفسير طبري ٤/ ٤٥)

لیکن تحریر و روگردانی کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے۔

* ﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ یعنی کتاب اللہ کی جو امانت ان کے سپرد کی گئی تھی وہ اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور اس سے مراد انبیائے بنی اسرائیل ہیں۔

* ﴿الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا﴾ یہ نبیوں کے لیے صفت مدح ہے، یعنی وہ ظاہری و باطنی طور پر اللہ کے لیے جھک گئے، اسی کے لیے مخلص ہوئے اور حکمِ الٰہی کو دل و جان، زبان اور جوارح کے ذریعے سے تسلیم کیا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام سے متعلق اللہ نے فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ”جب اس سے، اس کے رب نے فرمایا: فرماں بردار ہو جا! اس نے کہا: میں جہانوں کے رب کے لیے فرمانبردار ہو گیا۔“ (البقرة: ١٣١)

اسی طرح یوسف علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ بھی ہے: ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ ”مجھے حالتِ فرماں برداری میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔“

(یوسف: ١٠١)

* ﴿لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”هَادُوْا“ أي: تَابُوا مِنَ الْكُفْرِ. یعنی جنھوں نے کفر سے توبہ کی۔ (الجامع لأحكام القرآن ٧/ ٤٩٥)

امام بغوی رحمہ اللہ تقدیم و تاخیر کی بنا پر درج ذیل مفہوم بیان کرتے ہیں:

”فِيْهَا هُدًى وَنُوْرٌ لِلَّذِيْنَ هَادُوْا“ یعنی اس (تورات) میں ہدایت و نور ان لوگوں کے لیے ہے جو یہودی ہوئے۔ بعد ازاں کہا: ”يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ“ اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرمانبردار تھے اور اللہ والے علماء۔ اسی طرح ل سے علیٰ کا معنی بھی مراد لیا گیا ہے، یعنی وہ یہودیوں کے خلاف فیصلہ کرتے تھے، جیسے درج ذیل آیت میں ل، علیٰ کے معنی میں ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ ”یہی لوگ ہیں واسطے ان کے لعنت ہے۔“ (الرعد: ٢٥) مطلب یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے۔ ملاحظہ کیجیے تفسیر بغوی (١/ ٦٧٩) وغیرہ۔

* ﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ الربانیون: ربانی کی جمع ہے اور اس سے مراد علماء، حکما، لوگوں کے سیاسی و تدبیری امور میں، بصیرت رکھنے والے اور ان کے مشترکہ وقومی مفادات ومصالح کو انجام دینے والے ہیں۔''الاحبار'' یہ حِبْر کی جمع ہے، یعنی وسیع العلم اور بہت زیادہ معرفتِ احکام رکھنے والا عالم۔

* ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ ''آیت میں ''بِمَا اسْتُحْفِظُوْا'' کی باء کا تعلق ''الرَّبَانِیُّوْنَ وَالْاَحْبَار'' سے ہے، مطلب یہ ہے کہ جس زمانے میں کوئی نبی نہیں ہوتا تھا تو یہ درویش اور تعلیم یافتہ لوگ یہودیوں کے مابین توراۃ کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے کیونکہ انبیاء نے انھی کو اللہ تعالیٰ کی کتاب۔توراۃ۔ کا محافظ قرار دیا تھا اور ان کی ذمہ داری تھی کہ اس میں کوئی تحریف نہ ہونے پائے۔اور شہداء کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ توراۃ کے مِن عند اللہ ہونے پر گواہ تھے۔''

(اشرف الحواشی ص۱۳۹)

تورات وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ ان کے علماء پر تھا، لیکن وہ دانستہ یا نا دانستہ اسے نبھا نہ سکے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ ''وہ لوگ جو یہودی ہوئے ان میں سے بعض لوگ بات کو اس کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں، یعنی تحریف کرتے ہیں۔'' (النسآء: ٤٦)

اس کے برعکس قرآن مجید اور شریعتِ محمدیہ کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ''بلاشبہ ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر: ۹)

* ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ اگرچہ یہ علمائے یہود کو خطاب ہے، لیکن یہ عام ہے یعنی ہر عالم میں خوفِ الٰہی وخشیت الٰہی کا ہونا ضروری ہے۔اور اللہ کے مقابلے میں لوگوں سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ ان کا خالق و مالک بھی اللہ ہی ہے۔اللہ نے اہل علم کی صفات میں سے ایک صفت کا تذکرہ یوں فرمایا: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ

الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ ''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔'' (فاطر: ۲۸)

* ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ میری کتاب کی آیات میں وارد حکم چھوڑنے کے عوض کم قیمت وصول مت کریں: اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ وصول کرسکتے ہیں! مقصود یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اور احکامِ الٰہیہ چھوڑنے میں نقصان اس قدر زیادہ ہے کہ دنیا و مافیہا بھی اس کے بدلے میں لے لیا جائے تو وہ کم ہی ٹھہرے گا۔

* طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ نے کہا: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''هِيَ كَبِيْرَةٌ'' یعنی وہ کبیرہ گناہ ہے۔

نیز ابن طاؤس رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرنے کی مانند نہیں۔ (تفسير ابن أبي حاتم ٤/ ١١٤٣ وسنده حسن)

تنبیہ: بعض کتب میں ''هِيَ كُفْرٌ'' کے الفاظ ہیں تو اس صورت میں بھی کفر سے مراد گناہ ہی ہے۔ واللہ اعلم

امام سمعانی رحمہ اللہ نے فرمایا: آگاہ رہو! خوارج اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے، جبکہ اہل سنت کے نزدیک محض ترک سے وہ کافر نہیں ہوگا۔ (تفسير السمعاني ٢/ ٤٢)

کفر دون کفر کی اصطلاح ہمارے اسلاف اور محدثین و مفسرین کے ہاں معروف ہے۔ دیکھئے مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ (۵۲۲/۷) وغیرہ۔

اگر اسے احسن انداز میں سمجھ لیا جائے تو فکری کجی سے بچا جا سکتا ہے۔ (ان شاء اللہ)

محدث سید احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اگرچہ یہ آیتیں خاص یہود (سے متعلق) نازل ہوئی ہیں، لیکن اس امت میں سے بھی اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی آیتِ قرآنی کا منکر ہوگا تو وہ اس حکم میں داخل ہے اور جو شخص قرآن کی آیت کے حق ہونے کا اقرار کر کے اس کے موافق عمل نہ کرے گا تو (وہ) گناہ گار ہوگا...... کفر کے معنی گناہ کے ایسے موقع پر آتے ہیں۔'' (احسن التفاسیر ۵۹/۲)

اضواء المصابیح

فقه الحديث

الفصل الثاني / دوسری فصل

٥٥٨: عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ: أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ : "إِذَا كَانَ دم الْحيض فَإِنَّهُ دم أسود يعرف فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ فَإِذَا كَانَ الْآخرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ."

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيّ.

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فاطمہ بنت ابی حُبیش رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ انھیں (فاطمہ رضی اللہ عنہا کو) استحاضہ آتا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب خون حیض کا ہو جو کہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، لہٰذا جب یہ ہو تو نماز پڑھنے سے رک جاؤ اور جب (اس کے علاوہ) دوسرا ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو، کیونکہ یہ ایک رَگ ہوتی ہے۔''

اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

تخریج و تحقیق: سنده ضعيف.

سنن أبي داود : ٢٨٦، سنن النسائي : ١/ ٨٥ ح٣٦٢، وصححه ابن حبان (الاحسان: ١٣٤٥) والحاكم (١/ ١٧٤) علىٰ شرط مسلم ووافقه الذهبي، الزهري مدلس وعنعن.

تنبیہ: امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا: "وحديث ابن شهاب في هذا الباب مضطرب." (التمهيد ١٦/ ٦٥)

٥٥٩: وَعَن أم سَلَمَة: إِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أم سَلَمَة رَسُول اللّٰه ﷺ فَقَالَ: لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا

فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذَلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَإِذَا خلفت ذَلِك فلتغتسل ثُمَّ لتستثفر بِثَوْب ثُمَّ لتصل . رَوَاهُ مَالك وَأَبُو دَاوُد والدارمي وروى النَّسَائِيّ مَعْنَاهُ .

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک خاتون کو بہت (استحاضہ کا) خون آتا تھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے چاہیے کہ یہ عارضہ لاحق ہونے سے پہلے، مہینے میں راتوں اور دنوں کا خیال کرے، پھر (استحاضہ کے) مہینے میں اتنے دن نماز چھوڑ دے اور جب یہ دن گزر جائیں تو غسل کر لے، بعد ازاں کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے اور نماز پڑھتی رہے۔ اسے مالک، ابو داود اور دارمی نے روایت کیا اور نسائی نے اس کے ہم معنی بیان کیا ہے۔

تخریج و تحقیق: سنده ضعيف.

موطأ إمام مالك ١/ ٦٢ ح ١٣٣ ، سنن أبي داود: ٢٧٤ ، سنن الدارمي ١/ ٢٠٠ ح ٧٨٦، سنن النسائي ١/ ١١٩ ، ح٢٠٩

سلیمان بن یسار نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا، بلکہ انھیں کسی مجہول (رجل) نے خبر دی، تاہم حدیث مسلم (۳۳۳) اس سے مستغنی کر دیتی ہے۔

٥٦٠: وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ ، قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: جَدُّ عَدِيٍّ اسْمُهُ دِينَارٌ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ: تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ فِيهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَتَصُومُ وَتُصَلِّي . رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ وَأَبُو دَاوُد .

عدی بن ثابت اپنے والد سے، وہ اس (عدی) کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: عدی کے دادا کا نام دینار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ سے متعلق فرمایا: ''وہ اپنے ایام حیض کی مناسبت سے اتنے دن نماز نہ پڑھے، پھر وہ غسل کرے اور ہر نماز کے لیے وضو کرے اور (حالتِ استحاضہ میں) روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔'' اسے ترمذی اور ابو داود نے روایت کیا ہے۔

تخریج و تحقیق: سنده ضعيف.

سنن الترمذي: ١٢٦، ١٢٧، سنن أبي داود: ٢٧، سنن ابن ماجه: ٦٢٥، ابو الیقظان عثمان بن عمیر ضعیف، مدلس، مختلط اور غالی شیعہ ہے۔ دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ص١٠٥، اسی طرح عدی بن ثابت کا والد بھی مجہول الحال ہے۔

٥٦١: وَعَن حمْنَة بنت جحش قَالَتْ: كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ أُخْتِي زَيْنَب بِنْتِ جَحْشٍ فقُلْتُ يا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَما تَأْمُرُنِي فِيْهَا؟ قَدْ مَنَعَتْنِى الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ. قَالَ: أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ . قَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: فَتَلَجَّمِى قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: فَاتَّخِذِى ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ أَيَّهُمَا صَنَعْتِ أَجزأَ عَنْكِ مِنَ الْآخَرِ وَإِنْ قَوِيتِ عَلَيْهِمَا فَأَنت أعلم فَقَالَ لَهَا: إِنَّمَا هَذِهِ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فتحيضى سِتَّة أَيَّام أَو سَبْعَة أَيَّام فِى عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِى حَتَّى إِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّى ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَها وصومى وَصلى فَإِن ذَلِك يجزئك وَكَذَلِكَ فافعلى كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ وَكَما يَطْهُرْنَ مِيقَاتُ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِينَ الظُّهْرَ وتعجليين الْعَصْر فتغتسلين وتجمعين الصَّلَاتَيْنِ: الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاء ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِى وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِى وَصُومِى إِنْ قَدَرْتِ عَلَى ذَلِك. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَهَذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ . رَوَاهُ أَحْمَدَ وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيّ .

سیدہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: مجھے بہت زیادہ اور شدید قسم کا عارضۂ استحاضہ لاحق

تھا، چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ آپ سے مسئلہ پوچھوں اور اپنی حالت سے آگاہ کروں تو میں نے آپ کو اپنی بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر پایا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ایسی خاتون ہوں جسے بہت زیادہ اور شدید استحاضہ ہوتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ اس نے تو مجھے نماز اور روزے سے بھی روک رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ تم روئی رکھ لیا کرو، کیونکہ اس سے خون رک جائے گا۔'' اس (حمنہ رضی اللہ عنہا) نے کہا: وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تو لنگوٹ باندھ لو۔'' انھوں نے کہا: وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا: تو (اس کے نیچے بھی) کپڑا رکھ لو۔'' انھوں نے کہا: وہ اس سے بھی زیادہ ہے، پانی کی دھار (کی طرح) بہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھے دو باتیں بتاتا ہوں، ان میں سے جو بھی اختیار کر لو وہ دوسرے سے کفایت کر جائے گا اور اگر دونوں پر قدرت رکھو تو (اس بارے میں) تم زیادہ بہتر جانتی ہو۔'' آپ نے ان سے فرمایا: ''یہ درحقیقت شیطانی کچوکا (یا مرض) ہے، چنانچہ تم (ہر ماہ) اللہ کے علم کے مطابق حسبِ معمول چھ یا سات دن ایام حیض شمار کرو، پھر غسل کرو حتیٰ کہ جب تم خود کو پاک صاف سمجھ لو تو تیئس یا چوبیس دن رات نماز پڑھو اور روزہ رکھو، پس تجھے یہ کفایت کرے گا اور ہر ماہ اسی طرح کرو جس طرح عام خواتین حیض اور طہر کے ایام میں کرتی ہیں۔ (دوسری بات یہ ہے کہ) اگر تم طاقت رکھو تو ظہر کو مؤخر اور عصر کو جلدی کر کے ان دونوں کو جمع کر لو اور ان کے لیے ایک غسل کرو، اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کرتے ہوئے ایک غسل کر کے ان دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھ لو۔ پس اس طرح کر لیا کرو اور نماز فجر کے لیے (بھی علیحدہ) غسل کر لو۔ اگر تم یہ کر سکتی ہو تو کر لیا کرو اور روزے بھی رکھتی جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ان دونوں امور میں سے یہ (دوسری) بات زیادہ پسندیدہ ہے۔'' اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تخريج و تحقيق: سنده ضعيف.

مسند أحمد ٦/ ٤٣٩ ح ٢٨٠٢٢، سنن أبي داود: ٢٨٧، سنن الترمذي: ١٢٨ وقال: "حسن صحيح"، سنن ابن ماجه: ٦٢٢، ٦٢٧، عبد اللّٰه بن محمد بن عقيل ضعيف على الراجح، كما تقدم: ٤١٤

الفصل الثالث / تیسری فصل

٥٦٢: عَن أَسمَاء بنت عُمَيْس قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللَّهِ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ اسْتُحِيضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسَ فِي مِرْكَنٍ فَإِذَا رَأَتْ صُفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلاً وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلاً وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلاً وَاحِدًا وَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد.

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، میں نے عرض کی! اے اللہ کے رسول! بلاشبہ فاطمہ بنت ابی حبیش (رضی اللہ عنہا) اتنی مدت سے استحاضہ کے عارضے میں مبتلا ہے اور وہ نماز نہیں پڑھ سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! یہ شیطانی (اثر و مرض) ہے۔ اسے چاہیے کہ ایک ٹب (برتن) میں بیٹھے۔ اگر پانی پر زردی غالب ہو تو ظہر و عصر کے لیے ایک غسل کرے اور مغرب و عشاء کے لیے ایک غسل کرے اور فجر کے لیے ایک غسل کرے اور ان کے مابین وضو کرلے۔'' اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تخريج و تحقيق: سنده ضعيف.

سنن أبي داود: ٢٩٦، وصحح الحاكم على شرط مسلم (١/ ١٧٤) ووافقه الذهبي، الزہری مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے۔

٥٦٣: رَوَى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ.

امام مجاہد رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اس پر غسل کرنا گراں ہو گیا تو آپ نے اسے دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا حکم دے دیا۔

تخريج و تحقيق: صحيح.

سنن الدارمي ١/ ٢٢١ ح٩٠٩ وسنده حسن، معاني الآثار للطحاوي ١/ ١٠١، ١٠٢

فقه الحديث:

❁ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خاتون پر مشقت و دِقت بڑھ جائے تو وہ حالتِ استحاضہ میں دو نمازوں کو جمع کرسکتی ہے۔

❁ مستحاضہ کا ہر نماز کے لیے غسل کرنا، وضو کرنا، یا پھر بوقت حدث ہی وضو کرنا وغیرہ، اہل علم کے مابین یہ مختلف فیہ صورتیں ہیں، تاہم افضل یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے یا جمع کی صورت میں دو نمازوں کے لیے ایک غسل کیا جائے۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا استحاضہ کے جاری خون میں غسل کر کے نماز پڑھتی تھیں۔

(موطا امام مالك: ١/ ٦٢ ح ١٣٤ وسنده صحيح)

❁ امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: (مستحاضہ) ہر طہر سے دوسرے طہر تک غسل کرے گی اور ہر نماز کے لیے وضو کرے گی، پھر اگر خون زیادہ ہوجائے تو کپڑا باندھ لے گی۔ (موطا امام مالك: ١/ ٦٣ ح ١٣٥ وسنده صحيح) اور اسی کو جمہور اہل علم نے اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: التمهيد لابن عبد البر (٢/ ٤٤٣) المجموع (٢/ ٣٨٢) فتح الباری (١/ ٥٣٥) وغیرہ

❁ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: مستحاضہ پر (ہر مہینے میں) صرف ایک غسل ہے، پھر اس کے بعد ہر نماز کے لیے وضو کرے گی۔

(موطا امام مالك: ١/ ٦٣ ح ١٣٦ وسنده صحيح)

حافظ ندیم ظہیر

توضیح الأحکام

سوال و جواب — تخریج الاحادیث

سوال:...... آپ نے حصن المسلم کی تحقیق میں سجدۂ تلاوت کی ایک دعا: "سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِی خَلَقَهُ...... کو ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ بعض اہل علم اسے صحیح کہتے ہیں۔ اس بارے میں رہنمائی کیجئے تاکہ ہم صواب و درست عمل کر سکیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(صدیق سعید، پشاور)

جواب:...... حصن المسلم کی تحقیق میں ہم نے اشارتاً ضعف کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی، اب اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

1. سنن ابی داود (۱۴۱۴) کی سند میں واضح ہے کہ خَالِدٌ الحَذَّاءُ عَنْ رَجُلٍ، عن أَبِی الْعَالِیَةِ یعنی خالد الحذاء نے مذکورہ روایت "رجل" کے واسطے سے سنی ہے، ابوالعالیہ سے براہِ راست نہیں سنی اور وہ "رجل" مجہول ہے۔

2. امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: "فَرَوَاهُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ رَجُلٍ لَمْ یُسَمِّهِ عَنْ أَبِی الْعَالِیَةِ عَنْ عَائِشَةَ وَهُوَ الصَّوَابُ."
یعنی خالد مذکور نے یہ روایت اس شخص سے نقل کی جس کا انھوں نے نام ذکر نہیں کیا...... اور وہی درست ہے۔ معلوم شد کہ ماہرِ علل امام دارقطنی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ روایت منقطع ہے۔

3. امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو ترک کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا: "لِأَنَّه بَیْنَ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ وَبَیْنَ أَبِی الْعَالِیَةِ رَجُلًا غَیْرَ مُسَمًّی" کیونکہ خالد الحذاء اور ابوالعالیہ کے درمیان غیر متعین شخص کا واسطہ ہے۔ (صحیح ابن خزیمۃ: ۵٦۳)

4. محدثِ یمن الشیخ مقبل بن ہادی رحمہ اللہ بھی اسے منقطع ہی سمجھتے ہیں۔
(احادیث معلۃ ظاهرها الصحۃ ۱/ ٤٦٥)

5. 6. امام احمد بن حنبل اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ کے نزدیک بھی سماع میں نظر ہے۔

ملاحظہ کیجئے تہذیب التہذیب (۱۲۳/۳) وغیرہ۔

محدثین کی تصریح سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے ثابت نہیں، یعنی ضعیف ہے۔

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ امام شعبہ اپنے تئیں اسی سے روایت کرتے تھے جس نے اپنے سماع کی تصریح کر رکھی ہو تو عرض ہے کہ علماء عموماً اسے مدلس رُواۃ سے متعلق سمجھتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ سطور میں محدثین کے اقوال سے بھی واضح ہو رہا ہے اور اگر اسے مطلق سمجھا جائے تو بھی محدثین کی صراحت کے بعد درج بالا روایت کو صحیح نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ عام پر خاص کو ترجیح حاصل ہے اور محدثین نے مذکورہ خاص روایت پر جرح کی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ خاص روایت خالد الحذاء نے ''رجل'' سے بیان کی ہے نہ کہ ابو العالیہ سے، جیسا کہ سنن ابی داود کی روایت میں ''رجل'' کی صراحت بھی موجود ہے۔

علمِ حدیث کا طالب علم جانتا ہے کہ بعض اوقات کسی سند کے کسی حصے میں راوی ساقط بھی ہو جاتا ہے، اس کی ایک مثال پیشِ خدمت ہے: امام ابن مندہ رحمہ اللہ کی کتاب التوحید (ص۱۱۴، ح۱۳۴) میں سند کا کچھ حصہ یوں ہے: "شُعْبَة، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ......" اب کیا کوئی محض اس وجہ سے کہ خالد سے شعبہ بیان کر رہے ہیں تو یقیناً خالد نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہو گا کا تصور کر سکتا ہے؟ یقیناً نہیں بلکہ ان کے مابین راوی کو تلاش کیا جائے گا، اور وہ صحیح مسلم (۲۷۱۲) میں اس طرح ہے: "شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ......"

جس طرح صحیح مسلم کی سند سے ہمیں معلوم ہوا کہ ''عبداللہ بن حارث'' دوسری سند سے ساقط تھا، اسی طرح سنن ابی داود کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خالد اور ابو العالیہ کے درمیان ''رجل'' کا واسطہ ہے۔ مذکورہ بالا توضیح سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ درج بالا روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور اسے محض کسی احتمال کی بنا پر صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب.

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ　　ترجمہ: حافظ فرحان الٰہی

سنت کے سائے میں

دعا کیسے قبول ہو......؟

امام مسلم بن حجاج النیسابوری رحمہ اللہ اپنی کتاب "الصحیح" میں فرماتے ہیں:

((حَدَّثَنِی أَبُوكُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَآءِ: حَدَّثَنَا أَبُوأُسَامَةَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوقٍ: حَدَّثَنِی عَدِیُّ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ أَبِی حَازِمٍ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ)) فَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ ﴾ [المؤمنون : ٥١] وَقَالَ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾ [البقرة : ١٧٢])) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ، أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَآءِ: يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟))

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو......! بلا شبہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو پسند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ ﴾ [المؤمنون : ٥١] "اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو یقیناً میں اس سے خوب واقف ہوں۔" نیز فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾ [البقرة: ١٧٢] "اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، انہیں کھاؤ۔" بعد ازاں آپ نے اس آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے (اور اس وجہ سے)

بال پراگندہ اور جسم غبار آلود ہے۔ وہ (دعا کے لیے) آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے:) اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا پہناوا حرام اور اسے حرام کے ذریعے سے غذا ملی تو اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی؟''

تخریج الحدیث:...... صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح : ١٠١٥، وأخرجه أبو عيسىٰ الترمذي في السنن مع التحفة: ٤/ ٧٨، ح : ٢٩٨٩، من حديث فضيل به، وقال:" هذا حديث حسن غريب وإنما نعرفه من حديث فضيل بن مرزوق، و أبو حازم، هو الأشجعي، اسمه: سلمان مولى عزة الأشجعية"

فقہ الحدیث:

① تمام عیوب اور نقائص سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزّہ ثابت کیا جائے، یہ دین کے بنیادی امور میں سے ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقات میں سے صرف وہ قبول کرتا ہے جو حلال اور پاک ہو، اسی طرح اعمال میں سے صرف وہی اعمال شرف قبولیت پاسکتے ہیں جو ریاکاری اور نمود و نمائش جیسے تمام مفاسد سے پاک و صاف ہوں اور یہ بھی یاد رہے کہ اعمال و اقوال ہوں یا عقائد و نظریات، قابل قبول صرف وہی ہوں گے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ہوں گے۔

③ حرام کھانا عمل کو فاسد بنا دیتا ہے اور قبولیتِ عمل کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

④ تمام رسولوں اور ان کی امتوں کو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ طیب اشیاء کھانے اور نیک اعمال کرنے کا حکم ملا ہے، جیسا کہ امام ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جامع العلوم والحكم" [ص:٩٣، ح : ١٠] میں وضاحت کی ہے۔

⑤ امام ابوعبداللہ (الزاھد) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمل پانچ امور سے مکمل ہوتا ہے: (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی معرفت (۲) حق کی پہچان (۳) عمل کا خالص اللہ کے لیے ہونا (۴) عمل کا سنت کے مطابق ہونا (۵) حلال خوراک، اگر ان میں

سے ایک بھی مفقود ہو تو عمل (قبولیت کے لیے) اوپر نہیں اٹھتا۔

⑥ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دعا میں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھانا مشروع ہے، اور یہ عمل متواتر نصوص سے ثابت ہے، جیسا کہ علامہ کتانی کی کتاب "نظم المتناثر في الحديث المتواتر" [ص:۱۹۰، ح:۲۰۳] اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

⑦ یہ حدیث دعا کے جملہ آداب اور اجابتِ دعا کے لیے ضروری امور کی وضاحت پر مشتمل ہے اور وہ امور درج ذیل ہیں:

(۱) لمبا سفر (۲) لباس اور ہیئت میں عاجزی کا ہونا، جیسا کہ گرد آلود بال، غبار زدہ کپڑے وغیرہ۔ (۳) دعا کے لیے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھانا (۴) اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانا، جیسے بار بار رب تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر کرنا، اور یہ قبولیت دعا کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔۔۔ان امور کی تائید میں حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اَور بھی کئی صحیح احادیث نبویہ پر مشتمل شواہد ذکر کیے ہیں۔ [دیکھیے: جامع العلوم والحکم، ص:۹۸، ۹۹]

⑧ یہ حدیث ان دلائل میں سے ایک ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بلندی اور آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے۔

⑨ اس حدیث سے حلال مال میں سے خرچ کرنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔

⑩ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حرام اور مشتبہ امور سے مکمل اجتناب کیا جائے اور اپنے آپ کو کتاب وسنت کی مخالفت سے ہر ممکن طور پر بچایا جائے۔

⑪ حدیث غریب وہ ہوتی ہے جس کی سند یا متن میں کوئی راوی منفرد ہو، یہ صحیح بھی ہو سکتی ہے اور ضعیف بھی، مذکورہ روایت میں فضیل بن مرزوق کا تفرد ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے صراحت بھی کی ہے، امام فضیل ثقہ وصدوق راوی ہیں اور جمہور نے ان کی توثیق کی ہے، امام مسلم نے ان کی روایت سے حجت پکڑی ہے، ان کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے، مذکورہ روایت کے کئی شواہد ہیں، جن کی بنا پر یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔ یاد رہے کہ حدیث حسن لذاتہ بھی حجت ہونے کے لحاظ سے صحیح کی طرح ہوتی ہے، جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

القول البسیط فی بیع التقسیط

حافظ بلال اشرف اعظمی

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ کے تاثرات

قد أجاب وأجاد وأفاد

أخونا الفاضل المحقق الشيخ بلال أشرف حفظه اللّٰه تعالیٰ لأنه حقق هذه المسئلة حسب ما بدا له من لفظ الحديث النبوي فعلى العامة أن يجتنبوا هذا البيع لأن لا يقعوا في باب الربا.

فعندي أن بيع الأجل لا يجوز وإن قال البعض أو الأكثر بجوازه، ومع ذلك يجتنب عنه لأنه على الأقل يكون من المشتبهات ومن الظاهر أن من اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه، والله أعلم.

الحمد للّٰه وحده، والصلاة والسلام على من لاَّ نبي بعده، أما بعد!

معزز قارئین کرام! اگر کوئی آدمی خریدار سے یہ کہے: ''یہ چیز نقدا تنے کی اور ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی ہے، دونوں قیمتوں میں سے جس پر چاہو خرید لو۔'' اس کے بعد دونوں کسی ایک قیمت پر اتفاق کر لیں یا کسی ایک قیمت پر اتفاق کیے بغیر جدا ہو جائیں، دونوں صورتوں میں اگر بیچنے والا ادھار کی وجہ سے زائد منافع اور زائد قیمت لے گا تو وہ حرام اور سود ہے اور یہ ایک بیع میں دو سودے ہیں۔ کئی علماء کرام کے نزدیک نقد و اُدھار میں سے ایک پر سودا طے ہو جائے تو یہ بیع جائز ہے، لیکن ہمارے علم کے مطابق یہ بات درست نہیں۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''نَهٰی رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو

سَو دوں سے منع فرمایا ہے۔(سنن الترمذي: ١٢٣١ ، سنن النسائي: ٤٦٣٦ وسنده حسن)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے تو اس کے لیے ان دونوں میں سے کم تر قیمت والا سودا ہے یا سود ہے۔ (یعنی اگر کم قیمت لے تو جائز ہے اور اگر زیادہ قیمت لے گا تو سود لے گا۔) (سنن أبي داود: ٣٤٦١ ، مصنف ابن أبي شيبة ٥/ ٥٥ ، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥/ ٣٤٣ وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن حبان اور ابن حزم رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

(صحيح ابن حبان: ٤٩٧٤ ، المحلى بالآثار ٧/ ٥٠٢)

امام حاکم رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:"صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ ." (المستدرك على الصحيحين: ٢٢٩٢)

نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

دور جدید کے محققین میں سے علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ٢٣٢٦ ، سنن أبي داود تحقيق و تخريج حافظ زبير علي زئي رحمہ اللہ :٣٤٦١)

فائدہ: اس حدیث کی رو سے دو ہی صورتیں بنتی ہیں، جب بیچنے والے نے خریدار سے کہا کہ یہ چیز نقد دس روپے میں اور ادھار پندرہ روپے میں ہے، جس قیمت پر چاہو خرید لو تو بیچنے والا یا تو اپنی چیز کی کم قیمت لے گا اور وہ نقد کی قیمت ہے یا ادھار کی وجہ سے زائد منافع اور زائد قیمت لے گا اور وہ سود ہے۔

اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ١٤٢٠ھ) لکھتے ہیں: "فهذا معنى هذا الحديث، المباع واحد ولكن المعروض بيعتان، نقدًا بكذا ونسيئة بكذا، فيسمي الرسول صلی اللہ علیہ وسلم الزيادة من أجل النسيئة ربًا ." یہ اس حدیث کا معنی ہے، جس چیز کو بیچنا ہے وہ ایک ہے،

لیکن دو قیمتوں میں پیش کی گئی ہے، نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں، یعنی دونوں قیمتوں میں فرق ہے تو رسول ﷺ نے ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کو سود قرار دیا ہے۔(مجله الأصالة "عودة إلى الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة" العدد السادس، ٥ صفر ١٤١٤ھ، ص٧١)

شیخ العرب والعجم ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۶ء) اسی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ثابت ہوا کہ جو عام ہمارے معاشرہ میں بیع کی جا رہی ہے، اس میں نقد رقم ایک ہوتی ہے اور ادھار کی رقم اس سے زیادہ ہوتی ہے، یہ بھی سود کی ایک صورت ہے۔''

اور آخر میں لکھتے ہیں: ''اس لیے مسلمانوں کو اس طرح کی بیع سے اجتناب کرنا چاہیے جو ایک چیز قسطوں پر فروخت کرتے ہیں اور قیمت بڑھا دیتے ہیں، اگر بروقت رقم مل جائے تو کم قیمت لیتے ہیں، یہ ظاہر ظہور قرض کی وجہ سے نفع لینا ہے۔'' (بدیع التفاسیر ۴/ ۵۸۵)

نوٹ: شیخ رحمہ اللہ کی اصل عبارت سندھی میں ہے، یہاں درج شدہ اردو ترجمہ کی سعادت فضیلۃ الشیخ مولانا محمد ابراہیم ربانی سندھی حفظہ اللہ نے حاصل کی ہے۔

* بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ کی وضاحت:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۵ھ) اس حدیث پر باب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "الرَّجُلُ يَشْتَرِي مِنَ الرَّجُلِ الْمَبِيعَ فَيَقُولُ: إِنْ كَانَ بِنَسِيئَةٍ فَبِكَذَا، وَإِنْ كَانَ نَقْدًا فَبِكَذَا" ایک شخص دوسرے شخص سے سامان خریدے اور بیچنے والا کہے: اگر ادھار خریدو گے تو اتنے روپے میں اور اگر نقد خریدو گے تو اتنے روپے میں۔

(مصنف ابن أبي شيبة ٥/ ٥٤)

امام احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) بيعتين في بيعة کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: 'وَهُوَ أَنْ يَقُولَ: أَبِيعُكَ هَذِهِ السِّلْعَةَ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ نَقْدًا، وَبِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ نَسِيئَةً. '' بیچنے والا کہے کہ میں تجھے یہ سامان نقد سو

درہم میں اور ادھار دو سو درہم میں بیچتا ہوں۔(سنن النسائي ۲/ ۲۲۰)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) حدیث "نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ" پر یہ ایسی الفاظ باب قائم کرتے ہیں: "ذِكْرُ الزَّجْرِ عَنْ بَيْعِ الشَّيْءِ بِمِئَةِ دِينَارٍ نَسِيئَةً وَبِتِسْعِينَ دِينَارًا نَقْدًا." "ایک چیز کو ادھار سو دینار اور نقد نوے دینار میں فروخت کرنے کی زجر وتوبیخ کا بیان۔(صحیح ابن حبان ۵/ ٦٣٢)

محدثین کی ان توضیحات کومبہم قرار دینا اور انھیں صرف قیمت کے عدم تعین والی صورت کے ساتھ جوڑنا درست نہیں ہے۔ بیع میں نقد و ادھار میں سے کسی ایک قیمت کا تعین ہو یا تعین نہ ہو محدثین کی یہ توضیحات دونوں صورتوں کو شامل ہیں، جب ان محدثین نے "بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ" کی وضاحت کرتے ہوئے تعین اور عدم تعین کی کوئی قید نہیں لگائی تو ہم کیسے لگا سکتے ہیں؟

نوٹ: "بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ" کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سلسلة الأحاديث الصحيحة (۵/۴۲۰)

ایک بیع میں دو سودے اور رُواۃِ حدیث کا فہم:

اس حدیث کے راوی عبد الوہاب بن عطاء رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) "بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ" کی وضات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هُوَ لَكَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ ، وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ ." "یہ چیز تجھے نقد دس کی اور ادھار بیس کی بیچتا ہوں۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقي ۵/ ۳۴۳ وسنده حسن)

اس حدیث کے راوی معروف تابعی سماک بن حرب رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳ھ) سے بھی یہی تشریح مروی ہے۔(مسند الإمام أحمد ۱/ ۳۹۸)

مجوزین علماء نے امام سماک بن حرب رحمہ اللہ کے قول کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ کچھ مجوزین علماء نے احتمال کے درجہ میں اور کچھ نے بالیقین یہ لکھا ہے کہ امام سماک رحمہ اللہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ نقد و ادھار میں سے ایک قیمت کا تعین نہ

ہو سکے، بلکہ ابہام ہی پر معاملہ طے ہو جائے تو یہ حرام وممنوع ہے، اور اگر کسی ایک معین قیمت پر بات طے ہو جائے تو وہ بالکل جائز ہے، حالانکہ امام سماک رحمہ اللہ کا قول واضح ہے، اس میں عدم تعین کی کوئی قید نہیں ہے۔ نقد و ادھار میں سے کسی ایک قیمت کا تعین ہو یا تعین نہ ہو امام سماک رحمہ اللہ کی توضیح دونوں صورتوں کو شامل ہے اور حدیث کے الفاظ بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ ان کے قول کو صرف قیمت کے عدم تعین والی صورت پر منطبق کرنا تأويل القول بما لا يرضى به قائله کا واضح نمونہ ہے۔

امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) اگرچہ جواز کے حامی علماء میں سے ہیں، لیکن امام سماک رحمہ اللہ سے مروی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں: "فَفِيهِ مُتَمَسَّكٌ لِمَنْ قَالَ: يَحْرُمُ بَيْعُ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهِ لِأَجْلِ النَّسَاءِ." اس سے اس آدمی کے قول کو تقویت ملتی ہے جو کہتا ہے کہ کسی چیز کو ادھار کی وجہ سے اس کی موجودہ قیمت سے زیادہ بیچنا حرام ہے۔" (نيل الأوطار ٥/ ٢٤٩)

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لَا تَصْلُحُ سَفْقَتَانِ فِي سَفْقَةٍ وَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((لَعَنَ اللّٰهُ آكِلَ الرِّبَا، وَمُوكِلَهُ، وَشَاهِدَهُ، وَكَاتِبَهُ))." ایک سودے میں دو سودے کرنا درست نہیں ہے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہ اور اس کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔" (مسند الإمام أحمد ١/ ٣٩٣، صحيح ابن حبان: ٥٠٢٥ وسنده حسن، وفي رواية ابن حبان لاتحل)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"لَا تَصْلُحُ الصَّفْقَتَانِ فِي الصَّفْقَةِ، أَنْ يَقُولَ: هُوَ بِالنَسِيئَةِ بِكَذَا وَكَذَا، وَبِالنَّقْدِ بِكَذَا وَكَذَا." "ایک سودے میں دو سودے کرنا درست نہیں ہے کہ بیچنے والا کہے کہ یہ چیز ادھار اتنے روپے میں اور نقد اتنے روپے میں۔"

(مصنف عبد الرزاق ٨/ ١٠٨ ح ١٤٧١٢، مصنف ابن ابی شیبة ٥/ ٥٤ وسنده حسن)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ان روایات میں ایک بیع میں دو سودے کرنے کی وضاحت کی گئی ہے اور اس کے حرام ہونے کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہ اور اس کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے، یعنی اس بیع کے حرام ہونے کی وجہ ربا (سود) ہے۔

❁ ثقہ امام ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) محمد بن سیرین رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) کے بارے میں بیان کرتے ہیں: "كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ بِالسِّلْعَةِ، يَقُولُ: هِيَ بِنَقْدٍ بِكَذَا، وَبِنَسِيئَةٍ بِكَذَا." "آپ رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ (حرام) سمجھتے تھے کہ ایک آدمی سامان کی زیادہ قیمت بتائے اور زیادہ قیمت پر فروخت کرے، وہ کہے: یہ چیز نقدا اتنے روپے میں اور ادھار اتنے روپے میں۔"

(مصنف ابن أبي شيبة ٥/ ٥٥، مصنف عبد الرزاق ٨/ ١٠٧ وسنده صحيح)

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی آدمی ایک بیع میں دو سودے کرے اور سامان زیادہ قیمت پر فروخت کرے تو یہ حرام و مکروہ ہے۔

❁ ایک بیع میں دو سودوں کے حرام ہونے کی علت کیا ہے؟

بیعتین في بیعة کے حرام ہونے کی علت اور وجہ سود ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے تو اس کے لیے ان دونوں میں سے کم تر قیمت والا سودا ہے یا سود ہے۔ (سنن أبي داود: ٣٤٦١ وسنده حسن)

یعنی جس نے ایک بیع میں دو سودے کیے کہ یہ چیز نقد دس روپے کی اور ادھار پندرہ روپے کی ہے تو وہ دونوں میں سے کم قیمت (نقد والی) وصول کرلے اور اگر زیادہ قیمت (ادھار والی) وصول کرے گا تو وہ سود ہے۔ اس فرمانِ نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ ایک بیع میں دو سودوں کے حرام و ممنوع ہونے کی علت اور وجہ ربا (سود) ہے۔

استاذ مکرم حافظ عبد المنان نور پوری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۱۲ء) فرماتے ہیں:

''اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس بیع کے حرام ہونے کا سبب سود ہے۔'' (مقالات نور پوری ص۴۱۰)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں: ''اس میں نہی کی علت ربا ہونا منصوص ہے اور معلوم ہے، جہاں موجود ہو نص جلیل، وہاں کسی عالم و مجتہد کی تعلیل ہوتی ہے فقط چالِ علیل، سمجھ ہے تو آپ کو اجرِ جزیل۔'' (احکام ومسائل ۲/۵۵۴)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "الصَّفْقَتَانِ فِي الصَّفْقَةِ رِبًا ." ایک سودے میں دو سودے کرنا سود ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ۸/ ۱۰۸ ، الأوسط لابن المنذر ۱۰/ ۱۱۳ وسنده حسن)

پس ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک بیع میں دو سودوں کے حرام ہونے کی وجہ ربا ہے۔

مشہور قاضی اور تابعی شریح بن الحارث رحمہ اللہ (متوفی ۸۰ھ علی قولٍ) فرماتے ہیں: "مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا ." "جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے تو اس کے لیے ان دونوں میں سے کم تر قیمت لینا جائز ہے یا پھر وہ سود لے گا۔ (مصنف عبد الرزاق ۸/ ۱۰۷ ، السنة للمروزي ص۵۵ وسنده صحيح)

قاضی شریح رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ایک بیع میں دو سودوں کے حرام ہونے کی وجہ ربا (سود) ہے۔

کئی علماء کے نزدیک ایک بیع میں دو سودوں کے حرام ہونے کی علت جہالت ثمن (قیمت کا مجہول ہونا) ہے، تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ بائع اور خریدار کے درمیان نقد یا ادھار والی قیمت کا تعین نہ ہو سکے بلکہ ابہام ہی میں سودا طے ہو جائے تو یہ ایک بیع میں دو سودے ہیں اور یہ جہالتِ ثمن کی وجہ سے ممنوع ہے اور اگر نقد یا ادھار والی قیمت میں سے کسی ایک کا تعین ہو جائے تو یہ بیع جائز ہے، ان علماء کا جہالت ثمن کو علت بنانا درج ذیل وجوہات کی بنا پر محل نظر ہے۔

۱) ان علماء کی بیان ہوئی علت عقلی ہے اور جن علماء نے ایک بیع میں دوسودوں کے حرام ہونے کی علت ربا (سود) قرار دی ہے، ان کی بیان کی گئی علت شرعی ہے، کما مرَّ۔
شرعی علت کی موجودگی میں عقلی علت ناقابل التفات ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں: "وأقول: تعليلهم النهى عن بيعتين في بيعة بجهالة الثمن، مردود لأنه مجرد رأى مقابل النص الصريح في حديث أبي هريرة وابن مسعود أنه الربا." اور میں کہتا ہوں کہ علماء کا ایک بیع میں دوسودے کرنے کی ممانعت میں جہالتِ ثمن کو علت قرار دینا مردود ہے، کیونکہ یہ صریح نص کے مقابلے میں محض ایک رائے ہے اور حدیث ابو ہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما میں ہے کہ (ممانعت کی علت) سود ہے۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة ٥/ ٤٢٣)

۲) اگر ایک بیع میں دوسودوں کو جہالت اور قیمت کے عدم تعین کی وجہ سے حرام قرار دیا جائے تو حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) بے معنی ہوجاتے ہیں اور ان کا کوئی موقع ومحل باقی نہیں رہتا۔

۳) ایسی جہالت نہیں پائی گئی جو بیع کی صحت کے لیے مضر ہو، بیچنے والے نے اپنی خوشی سے خریدار سے کہا کہ یہ چیز نقد اتنے کی ہے اور ادھار اتنے کی ہے، دونوں قیمتوں میں سے جس پر چاہو خرید لو، اب خریدار کو اختیار ہے، وہ اسی وقت یا اگلی ملاقات میں قیمت نقد ادا کر دے یا بعد میں ادھار ادا کر دے، اس میں کوئی مضر جہالت نہیں ہے، ایک چیز کا وجود ہی نہیں ہے اور اسے ممانعت کی علت بنایا جا رہا ہے۔ فیا للعجب!

❁ ایک شبہ اور اس کا جواب:

"اگر خرید وفروخت کا معاملہ اس طرح ہو کہ یہ کپڑا نقد دس کا اور ایک ماہ کے ادھار پر پندرہ کا ہے اور دونوں فریق بغیر نقد وادھار طے کیے جدا ہو جائیں اور اگلے دن جب ملیں تو خریدنے والا کہے کہ میں جو کپڑا لے کر گیا تھا وہ نقد پر تھا، یہ لو دس روپے اور بیچنے والا کہے کہ میں نے تو ادھار بیچا تھا، اس لیے میں دس نہیں لیتا، بلکہ ایک ماہ بعد

پندرہ ہی لوں گا۔تو بتایئے کہ کیا جہالت اس بیع میں فساد کا سبب بنی کہ نہیں؟''

جواب: کیسے ایک فرضی اور خیالی صورت بنا کر بات کو دھندلانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن بے سود، غور فرمائیں کہ جب بیچنے والے نے خریدار سے کہا کہ یہ چیز نقد دس روپے کی اور ایک ماہ کے ادھار پر پندرہ روپے کی ہے، دونوں قیمتوں میں سے جس پر چاہو خرید لو اور خریدار نقد و ادھار میں سے ایک قیمت کے تعین کے بغیر چیز لے کر چلا گیا، اب اگلے دن بیچنے والا کیسے جھگڑا کر سکتا ہے؟ جبکہ اس نے خود خریدار کو دونوں قیمتوں میں سے جس پر چاہے خریدنے کی اجازت دی ہے۔ تفکر و لا تعجل

اور اگر بیچنے والا ڈھٹائی اختیار کرتے ہوئے جھگڑا کرے گا تو ہر صاحب عقل ودانش اسے کہے گا کہ پہلے اختیار اور اجازت دی تھی، اب مکرتے ہو، ذرا دیکھ بھال کے منصفی کرو، پس کوئی مضر جہالت موجود نہیں ہے جو ممانعت کی علت بن سکے۔

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد امین عزیز بھٹی صاحب اسی طرح کے ایک شبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہاں غالباً مولانا صاحب یہ بات سرے سے بھول ہی گئے ہیں کہ یہاں بیع کی اصل ہی خلاف شرع رکھی گئی ہے، کیونکہ ایک چیز کی دو قیمتیں لگانا ہی تو منع ہے۔'' (ہفت روزہ اہل حدیث لاہور جلد ۲۶، شمارہ: ۱۶، ص ۱۳، ۱۹۹۵ء)

❁ امام مالک رحمہ اللہ اور ایک بیع میں دو سودوں کے حرام ہونے کی علت:

امام دار الہجرہ مالک بن انس رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) کے نزدیک جب ایک بیع میں دو سودے ہوں اور بیع واجب ہو جائے تو اس کے حرام ہونے کی علت سود تک لے جانے والے ذریعہ کو ختم کرنا ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں: "قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ ابْتَاعَ سِلْعَةً مِنْ رَجُلٍ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ نَقْداً أَوْ بِخَمْسَةَ عَشَرَ إِلَى أَجَلٍ قَدْ وَجَبَ لِلْمُشْتَرِيْ بِأَحَدِ الثَّمَنَيْنِ، إِنَّهُ لا يَنْبَغِي ذلِكَ، لِأَنَّهُ إِنْ أَخَّرَ الْعَشَرَةَ كَانَتْ خَمْسَةَ عَشَرَ إِلَى أَجَلٍ، وَإِنْ نَقَدَ الْعَشَرَةَ كَانَ إِنَّمَا اشْتَرَى بِهَا الْخَمْسَةَ عَشَرَ الَّتِيْ إِلَى أَجَلٍ". امام مالک رحمہ اللہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے

دوسرے شخص سے کوئی سامان نقد دس دینار سے یا ادھار پندرہ دینار سے خریدا، ان دونوں قیمتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خریدار کے لیے بیع واجب ہوگئی، یہ بیع درست نہیں ہے، کیونکہ اگر تاخیر کرتا ہے تو ایک مدت تک پندرہ دینار دینے ہیں اور اگر نقد دس دینار ادا کرتا ہے تو اس نے دس دینار نقد کے عوض پندرہ دینار ادھار خرید لیے۔''

(موطأ الإمام مالك ص٥٩٨)

امام مالک رحمہ اللہ نے ''لِأَنَّهُ إِنْ أَخَّرَ ...... إلخ'' سے ایک بیع میں دوسودوں کے حرام ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ بیع سود تک پہنچانے کا ذریعہ ہے، اور خریدار اس کے ذریعہ سود تک پہنچ سکتا ہے۔

ابو الولید محمد بن أحمد الشہیر بابن رشد الحفید (متوفی ۵۹۵ھ) لکھتے ہیں:

''وَعِلَّةُ امْتِنَاعِهِ عِنْدَ مَالِكٍ سَدُّ الذَّرِيعَةِ الْمُوْجِبَةِ لِلرِّبَا لِإِمْكَان أَنْ يَكُوْنَ الَّذِيْ لَهُ الْخِيَارُ قَدِ اخْتَارَ أَوَّلَا إِنْفَاذَ الْعَقْدِ بِأَحَدِ الثَّمَنَيْنِ الْمُؤَجَّلِ أَوِ الْمُعَجَّلِ ثُمَّ بَدَا لَهُ وَلَمْ يَظْهَرْ ذٰلِكَ ، فَيَكُونُ قَدْ تَرَكَ أَحَدَ الثَّمَنَيْنِ لِلثَّمَنِ الثَّانِيْ ، فَكَأَنَّهُ بَاعَ أَحَدَ الثَّمَنَيْنِ بِالثَّانِيْ ، فَيَدْخُلُهُ ثَمَنٌ بِثَمَنٍ نَسِيئَةً ، أَوْ نَسِيئَةً وَمُتَفَاضِلاً .'' امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک بیع دوسودوں کی ممانعت کی علت سود کی راہ کھولنے والے ذریعے کو بند کرنا ہے، کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ شخص (خریدار) جس کے پاس اختیار ہے، اس نے پہلے فوری یا مؤخر دونوں قیمتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بیع کرنے کا انتخاب کرلیا، پھر دوسری قیمت کے ساتھ بیع کرنے کی بات اس کے سامنے آئی، لیکن یہ معاملہ ظاہر نہ ہوا، پس اس نے دوسری قیمت کے لیے دونوں قیمتوں میں سے ایک کو ترک کر دیا، تو گویا اس نے دوسری قیمت کے عوض دونوں قیمتوں میں سے ایک کو بیچ دیا، اور اس بیع میں قیمت کے عوض میں قیمت ادھار یا ادھار اور کمی بیشی دونوں داخل ہوگئے۔'' (بداية المجتهد ونهاية المقتصد ٢/ ١٥٤)

اور اگر ایک بیع میں دوسودے ہوں (کہ یہ چیز نقد اتنے کی اور ایک ماہ کے ادھار

پر اتنے کی ہے اور بیع واجب نہ ہو بلکہ خریدار کو بیع رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار ہو تو بقول ابن رشد رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی بیع جائز ہے۔ (دیکھئے بدایۃ المجتهد ٢/ ١٥٤)

نوٹ: نقد و ادھار میں سے کسی ایک قیمت کے تعین اور عدم تعین کا امام مالک رحمہ اللہ کے مؤقف سے کوئی تعلق نہیں۔

لیکن مجوزین میں سے ایک صاحب علم لکھتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ دیگر اسلاف کی طرح امام مالک رحمہ اللہ بھی کسی ایک قیمت کے تعین پر اس بیع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔''

دیکھئے کیسے کھینچ تان کر اور تحقیق کے اسلوب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے امام مالک کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی ہے، حالانکہ امام مالک کا مؤقف مجوزین کے مؤقف سے یکسر مختلف ہے۔ کما مَرَّ

تیری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی وہی تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

بَیْعَتَیْنِ فِيْ بَیْعَةٍ کا حکم:

جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے تو یہ بیع منع ہے، لیکن واقع ہو جانے کی صورت میں اگر کم قیمت وصول کرے تو کوئی حرج نہیں، بیع درست ہے، یہ امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (علی ما کُتب في کتب العلماء) اور امام ابن حبان رحمہما اللہ کا مذہب ہے، کیونکہ اس صورت میں ممانعت کی علت مفقود ہے اور وہ علت ربا ہے، یہ بات فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فله أو كسهما أو الربا" سے صراحتاً ثابت ہے۔ الحمد للہ

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (متوفی ١٤٢٠ھ) فرماتے ہیں:

"فإنهما متفقان على أن "بيعتين فى بيعة ربا"، فإذن الربا هو العلة، وحينئذ فالنهى يدور مع العلة وجودا وعدما، فإذا أخذ أعلى الثمنين، فهو ربا، وإذا أخذ أقلهما فهو جائز" (حدیث ابو ہریرہ اور روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہما) دونوں

متفق ہیں کہ ایک بیع میں دوسودے کرنا سود ہے تو ربا (سود) ہی ممانعت کی وجہ اور علت ہے، اب اس علت کی موجودگی میں بیع منع اور عدم موجودگی میں بیع جائز ہوگی، اگر بیچنے والا دونوں قیمتوں میں سے زیادہ وصول کرے گا تو وہ سود ہوگا اور اگر دونوں میں سے کم قیمت وصول کرے گا تو یہ جائز ہے۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة ٥/ ٤٢٤)

امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) اگرچہ جواز کے حامی علماء میں سے ہیں، لیکن یہاں رقم طراز ہیں: "وَلَا يَخْفَى أَنَّ مَا قَالَهُ هُوَ ظَاهِرُ الْحَدِيثِ؛ لِأَنَّ الْحُكْمَ لَهُ بِالْأَوْكَسِ يَسْتَلْزِمُ صِحَّةَ الْبَيْعِ بِهِ"

اور یہ بات کوئی پوشیدہ نہیں کہ (امام عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ (متوفی: ۱۵۷ھ) نے جو کہا ہے، وہی حدیث کا ظاہری مفہوم ہے، کیونکہ اسے کم قیمت وصول کرنے کا حکم ہے اور یہ صحتِ بیع کو مستلزم ہے۔ (نيل الأوطار للشوكاني ٥/ ٢٤٩)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (متوفی: ۳۵۴ھ) لکھتے ہیں: "ذِكْرُ الْبَيَانِ بِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ إِذَا اشْتَرَى بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلَى مَا وَصَفْنَا وَأَرَادَ مُجَانَبَةَ الرِّبَا كَانَ لَهُ أَوْكَسُهُمَا"

اس بات کا بیان کہ جب خریدار ایک سودے میں دوسودے کرے جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور سود سے بچنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے دونوں میں سے کم تر قیمت والا سودا ہے۔ (صحيح ابن حبان ٥/ ٦٣٣)

کئی علماء کرام کے نزدیک "جب ایک بیع میں دوسودے ہوں، یعنی نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں اور کوئی چیز معین نہ ہو سکے تو یہ بیع ہی فاسد ہوتی ہے، ایسا معاملہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ایسے معاملے میں خریدار خریدی ہوئی چیز کو استعمال میں لا چکا ہو، مثلاً جانور کو ذبح کر کے کھا چکا ہو، تو پھر نقد والی قیمت اور ادھار والی مدت کو لاگو کیا جائے گا، ورنہ سود ہو جائے گا۔" اس پر چند گزارشات درج ذیل ہیں:

اولاً: بیع کے فاسد ہونے والی بات حدیث پاک کی واضح نص "من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا" کے خلاف ہے، حدیث پاک کی صراحت و

وضاحت کے بعد اس کے مقابلہ میں آنے والا ہر قول مردود ہے اور یہی منہجِ اہل حدیث ہے، ثقہ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (متوفی: ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"فَیَسْقُطُ کُلُّ شَيْءٍ خَالَفَ أَمْرَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا یَقُومُ مَعَهُ رَأْيٌ وَلَا قِیَاسٌ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَطَعَ الْعُذْرَ بِقَوْلِهِ ﷺ"

ہر وہ چیز جو نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مخالف ہو وہ ساقط ہے، آپ کی حدیث کے مقابلے میں کوئی رائے اور قیاس نہیں ٹھہر سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے قول کے ساتھ عذر کو ختم کر دیا ہے۔ (کتاب الأم للشافعي ۳/ ۱۶۲)

اس بیع کے صحیح ہونے کی بحث اوپر گزر چکی ہے۔

ثانیاً: بعض علماء کے نزدیک ایک بیع میں دوسودوں کے حرام ہونے کی علت قیمت کا عدم تعین ہے، لیکن جب خریدار خریدی ہوئی چیز کو استعمال میں لا چکا ہو تو حرام ہونے کی علت ربا (سود) تسلیم کی ہے، اس صورت میں ممانعت کی علت ربا کیوں؟ کیا ممانعت کی علت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے؟

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

معلوم ہوا کہ بَیْعَتَیْنِ فِي بَیْعَةٍ کے حرام ہونے کی اصل علت ربا ہے۔

جو اس صورت میں بالآخر تسلیم کر لی گئی ہے۔

نوٹ: مجوزین میں سے ایک صاحب علم لکھتے ہیں:

''اسلافِ امت میں سے کسی نے چیز کی ادھار میں زائد قیمت کو سود نہیں کہا۔'' حالانکہ:

اولاً: انھوں نے خود مصنف عبدالرزاق (۸/ ۱۳۶) سے امام طاؤس رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے، جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

کوئی آدمی یوں کہے: فلاں چیز اتنی مدت تک اتنی قیمت میں اور اتنی مدت تک اتنی قیمت میں ہے اور اسی پر بیع واقع ہوگئی ہو اور خریدی گئی چیز کو خریدار نے صرف کر لیا ہو تو اس کے لیے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دُور کی مدت ہوگی۔

اس کے بعد وہ صاحبِ علم لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ جب ایک بیع میں دو سودے ہوں، یعنی نقد اتنے میں ادھار اتنے میں اور کوئی چیز معین نہ ہو سکے تو یہ بیع ہی فاسد ہوتی ہے، ایسا معاملہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر ایسے معاملے میں خریدار خریدی ہوئی چیز کو استعمال میں لا چکا ہو، مثلاً جانور کو ذبح کر کے کھا چکا ہو، تو پھر نقد والی قیمت اور ادھار والی مدت کو لاگو کیا جائے گا، ورنہ سود ہو جائے گا۔'' یعنی اس صورت میں ادھار کی وجہ سے قیمت کا اضافہ سود ہے، معلوم ہوا کہ ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کو سود تسلیم کر لیا ہے۔

ثانیاً: کوئی آدمی ایک چیز ایک ماہ کے ادھار پر ایک لاکھ کی فروخت کرے، اور خریدار سے طے کر لے کہ اگر ایک ماہ بعد پیسے ادا نہ کیے تو میں مزید ایک ماہ کے بعد ایک لاکھ پچیس ہزار وصول کروں گا۔ (ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے) اوپر والے پچیس ہزار کو مجوزین علماء بھی سود قرار دیتے ہیں۔ (دیکھیں ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، جلد: ۲۵، شمارہ: ۴۲، ص ۷، ۱۹۹۴ء)

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس صورت میں ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے زائد قیمت کو اسلافِ امت میں سے کس کس نے بالصراحت سود قرار دیا ہے؟

حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ (متوفی: ۲۰۱۲ء) فرماتے ہیں:

''کوئی آدمی ایک چیز لاکھ کی فروخت کرتا ہے، ایک مہینہ کے ادھار پر، مہینے کے بعد خریدنے والا کہتا ہے: مجھ سے پیسے نہیں بن سکے تو اب بائع کہتا ہے: میں اگلے مہینے سوا لاکھ لوں گا، اس کو سب حرام اور ناجائز کہتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ۲۵۰۰۰ روپے آئندہ مہینے جو وہ لے گا، وہ حرام اور ناجائز کیوں ہیں؟ اس کا سبب کیا ہے؟ اسی وجہ سے حرام ہے کہ وہ اس سے ایک مہینہ مہلت کے پیسے لے رہا ہے، اگر مہینہ بعد پیسے لے تو حرام اور اگر مہینہ پہلے مہلت کے پیسے لے تو پھر کیوں حرام نہیں؟ اس پر ہی غور کر لو، تب بھی حرام اور ناجائز ہی بنتا ہے۔'' (مقالات نورپوری ص ۴۰۹)

ثالثاً: جواز کے حامی علماء میں سے امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے لکھا ہے کہ امام زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ (متوفی ۹۴ھ) اور امام یحییٰ بن الحسین بن القاسم رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۸ھ) ادھار کی وجہ سے زائد قیمت کو حرام قرار دیتے تھے۔ (دیکھیں نیل الأوطار ۲۴۹/۵، ۲۵۰)

اسی طرح امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے۔

❁ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا: مجوزین میں سے ایک صاحبِ علم رقم طراز ہیں:

''صرف ایک سند میں یہ اضافہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا، یا تو وہ کم قیمت پر معاملہ کرے گا یا پھر وہ سود ہو گا۔ اسی بنا پر بعض اہل علم نے ان الفاظ کو ''شاذ'' بھی قرار دیا ہے، لیکن حقیقت میں یہ سند بھی ''حسن'' ہے۔ اسے ''شاذ'' یا ''ضعیف'' کہنا درست نہیں، البتہ اس صورتِ حال میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ بیع تقسیط کے علاوہ بھی ایک بیع میں دو سودے کرنے کی کئی صورتیں موجود بھی ہیں جنھیں فریق اول اور فریق ثانی یکساں تسلیم کرتے ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ زید نے بکر کو ایک دینار پیشگی دیا کہ وہ اس کے بدلے ایک مہینے بعد ایک کلو گندم دے گا۔ جب مہینہ گزرا تو زید نے بکر سے ایک کلو گندم کا مطالبہ کیا، لیکن بکر کہنے لگا کہ جو ایک کلو گندم تم نے مجھ سے لینی ہے، اسے ایک مہینے کے ادھار پر دو کلو گندم کے بدلے مجھے بیچ دو۔ یعنی ایک سودا پورا ہونے سے پہلے ہی اسی سودے میں دوسرا سودا کر لینا۔ حدیث کے زیر بحث الفاظ اسی صورت کے بارے میں ہیں۔''

اس پر چند گزارشات درج ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) ہر اس بیع کو شامل ہے جس میں دو سودے کیے جائیں، حدیث میں کوئی قصر ہے نہ حصر، یہ بات بالکل واضح ہے، کسی اہل علم سے مخفی نہیں، بعض لوگوں کا حدیث کے الفاظ ''فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.'' کو ایک صورت کے ساتھ خاص کرنا بالکل فقہ وانصاف سے

عاری ہے، دراصل حدیث پاک کے واضح الفاظ کا مجوزین کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اسی لیے "بَیْعَتَیْنِ فِيْ بَیْعَةٍ" کی یہ تفسیر "کہ یہ چیز نقد دس روپے میں اور ادھار پندرہ روپے میں ہے" تسلیم کرنے کے باوجود جب ان الفاظ کی باری آئی تو مکر گئے اور ان الفاظ کو ایک بیع میں دو سودے کرنے کی اور صورت پر فٹ کر دیا۔

جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے

بلاشبہ یہ الفاظ ہر اس بیع کو شامل ہیں جس میں دو سودے کیے جائیں اور حدیث کے انھیں الفاظ کی روشنی میں ادھار کی صورت میں زائد قیمت لینا سود ہے، خواہ نقد وادھار میں سے ایک کا تعین ہو یا تعین نہ ہو۔

حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۱۲ء) اسی حدیث کو توضیح میں رقم طراز ہیں: "ہماری اس ساری بات چیت سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ((مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ فِيْ بَیْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) کا مصداق ایک صورت ہو یا کئی صورتیں، انھیں ان چیزوں پر مشتمل ہونا چاہیے:

(۱) وہ صورت ایسی ہو کہ اس میں ایک چیز کی دو بیعیں ہوں (۲) وہ دونوں بیعیں ایک بیع میں ہوں (۳) ان دونوں میں سے ایک بیع کم قیمت پر ہو (۴) ان میں سے ایک کم قیمت والی بیع حلال ہو، سود نہ ہو۔ (۵) دونوں میں سے ایک بیع زیادہ قیمت والی ہو۔ (۶) دونوں میں سے زیادہ قیمت والی بیع حرام اور سود ہو۔ (۷) دونوں بیعوں میں بائع (بیچنے والا) ایک ہو۔ (۸) دونوں میں بیعوں میں سے اکثر اور زیادہ قیمت والی بیع کی حرمت کا سبب سود ہو۔ (۹) دونوں میں سے جس چیز کو فروخت کیا جا رہا ہو وہ ایک ہی چیز ہو (۱۰) ایسی بیع کی حرمت، جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، اس میں مندرجہ بالا نو چیزیں جمع ہوں۔ (احکام و مسائل ۲/ ۵۷۸)

مجوزین میں سے ایک صاحب علم کی ذکر کردہ صورت میں بائع (بیچنے والا) بدل گیا ہے، کیونکہ پہلی بیع جو بائع ہے، دوسری بیع میں وہ خریدار ہوتا ہے اور پہلی بیع میں جو خریدار

ہوتا ہے، دوسری بیع میں وہ بائع بنتا ہے، لہٰذا جو صورت اوپر ذکر کی گئی ہے، وہ ان صورتوں میں سے نہیں جن پر نبی ﷺ کی حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) صادق آتی ہے۔ ولنعم ما قيل: فر من المطر وقام تحت الميزاب .

لہٰذا یہ لکھنا کہ "بیع تقسیط" کے علاوہ بھی ایک بیع میں دو سودے کرنے کی کئی صورتیں موجود بھی ہیں، جنھیں فریق اول اور فریق ثانی یکساں تسلیم کرتے ہی، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے'' درست نہیں ہے۔

وہی صاحب علم لکھتے ہیں: ''اگر کوئی اصرار کرے کہ ان الفاظ کا تعلق نقد و ادھار کے فرق سے بھی ہے، تو پھر بھی یہ تعلق اس صورت میں ہوگا جب نقد و ادھار میں سے کوئی چیز طے نہیں ہوتی۔''

کیسی عجیب بات ہے کہ نقد و ادھار میں سے کوئی چیز طے نہ ہو تو ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے نقد کی قیمت سے زائد لی جانے والی قیمت سود ہے، اور اگر نقد و ادھار میں سے کوئی ایک طے ہو جائے اور ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے زائد قیمت وصول کرلے تو یہ (سود) جائز ہے۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

بلکہ اس سے بھی عجیب بات یہ کہنا ہے کہ ''اگر نقد و ادھار میں سے کوئی ایک طے ہو جائے تو پھر ایک بیع میں دو سودے ہوئے ہی نہیں، بلکہ ایک ہی سودا ہوا ہے'' حالانکہ واضح طور پر ایک چیز جس کو بیچنا ہے، اسے دو قیمتوں میں پیش کیا گیا ہے کہ نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں، بالآخر تو ایک سودا ہی ہو گا، نقد و ادھار میں سے کوئی ایک طے ہو جائے تب بھی اور نقد و ادھار میں سے کوئی ایک طے نہ ہو تب بھی۔ خذه مبتسماً وتفكر فيه

مجوزین کی اکلوتی دلیل اور اس کا تجزیہ:

مجوزین میں سے ایک صاحب علم لکھتے ہیں:

''فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ اللہ تعالیٰ نے کاروبار کو

حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

اس آیت کریمہ میں بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سود کی صورتیں شریعت نے بیان کر دی ہیں۔ نقد و ادھار کے فرق کو شریعت نے حرام یا سود قرار نہیں دیا، اس لیے یہ جائز ہے۔''

وہی صاحب علم اس اکلوتی دلیل کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

''فریقِ اول کے محققین اگرچہ اور بہت سی دلیلیں ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ یا تو موضوع سے خارج ہوتی ہیں، یا پھر انھیں بطور دلیل ذکر کرنا مناسب نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف اور صرف بطور تائید ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت کی دلیل ہی فریقِ اول کے لیے کارگر ہے، الا یہ کہ فریقِ ثانی نقد و ادھار کے فرق کو سود ثابت کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اصل اباحت والی دلیل بھی بے کار ہو جائے گی اور دیگر تائیدات بھی۔ بصورتِ دیگر نقد و ادھار کے فرق کے جواز پر صرف اصل باحت ہی کافی دلیل ہو گی۔''

تجزیہ: جی ہاں اصل اباحت والی دلیل بھی فائدہ مند نہیں ہے، کیونکہ نقد و ادھار کے فرق کے ساتھ قسطوں کی بیع ان بیوع میں سے ہے جنھیں شریعت نے حرام کیا ہے، شیخنا وشیخ العلماء الکبار المحدث الفقیہ حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۱۲ء) لکھتے ہیں: ''اور قسطوں کی بیع بھی ان بیوع میں سے ہے، جنھیں شریعت نے حرام کیا ہے، کیونکہ اس میں زیادہ منافع صرف تاخیر کی وجہ سے لیا جاتا ہے، اور صرف تاخیر وقت کا منافع شریعت میں جائز نہیں، جس طرح سود (قرض کے سود اور بیع کے سود) کی حرمت کے بہت سے دلائل سے سمجھ آتا ہے۔ پھر قسطوں کی بیع ان بیوع سے ہے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.))
''جس نے ایک بیع (چیز فروخت) کے دو بھاؤ لگائے تو اس کے لیے کم ریٹ اور بھاؤ لینا جائز ہے اور اگر زیادہ لیا تو سود ہو گا۔'' (احکام ومسائل ۲/ ۵۶۷)

۞ چند اعتراضوں کے جواب:

اعتراض (۱): حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.))
جسے مانعین اپنی دلیل بناتے ہیں، وہ تو صرف ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع کرتی ہے، لیکن یہ لوگ اس صورت کو بھی کیوں منع قرار دیتے ہیں کہ بیچنے والا کہے: میں صرف ادھار بیچتا ہوں اور اتنی قیمت لیتا ہوں؟ اس کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جا سکی۔
حدیث جو کہ دلیل ہے وہ دعویٰ سے اخص ہے۔

جواب: ؎ الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

بیچنے والا کہے: میں صرف ادھار بیچتا ہوں اور اتنی قیمت لیتا ہوں اور ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے زیادہ قیمت لے تو یہ بھی ایک بیع میں دو سودے ہیں، اس صورت میں الفاظ بدلے ہیں، مقصود وہی ہے۔ حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۱۲ء) لکھتے ہیں:
''بائع جب شروع سے صرف یہی کہے کہ ''ادھار اتنے کی'' اور یہ نہ کہے کہ ''نقد اتنے کی'' اور ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ لگائے تو تحقیقاً تو یہ ایک بیع ہے اور تقدیراً یہ دو بیعیں ہیں، اس لیے کہ وہ زیادہ پیسے ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے لے رہا ہے۔
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:
((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) دو بیعوں کو مشتمل ہے، خواہ وہ حقیقی ہوں یا ان میں سے ایک حقیقی ہو، اور دوسری مخفی اور تقدیری، تو دلیل دعویٰ سے اخص نہیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر شروع سے ہی کہا جائے کہ ''ادھار اتنے کی'' اور ادھار کی وجہ سے پیسے بھی زیادہ لگا لے، تو یہ حدیث کے منطوق میں داخل نہیں ہوتا لیکن ہم کہتے ہیں: ''حدیث کے مفہوم میں یہ چیز داخل ہے کیونکہ دوسری بیع یعنی ''ادھار اتنے کی'' اور ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قیمت بھی لگا لے تو یہ سودی بیع ہے۔ خواہ ''نقد اتنے کی'' کہہ دے اور خواہ اس کے بغیر صرف یہی کہے کہ ''ادھار اتنے کی'' مفہوم سے جو

بات سمجھ آتی ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ ''اور انھیں (والدین کو) اُف نہ کہو۔'' اور نبی ﷺ کا فرمان: ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ)) ''تم میں سے کوئی ہرگز کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے۔'' اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب والدین کو اُف کہنا حرام ہے تو جوتے کے ساتھ مارنا بھی حرام ہے۔ اور کھڑے پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے تو پاخانہ کرنا بھی حرام ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آیت اور حدیث میں تو یہ بات نہیں آئی کہ والدین کو جوتے کے ساتھ مارنا حرام ہے اور کھڑے پانی میں پاخانہ کرنا حرام ہے، اس لیے کہ دلیل دعویٰ سے اخص ہے؟ ''نہیں ہرگز نہیں'' کیونکہ استدلال مفہوم سے لیا گیا ہے اور یہ صحیح استدلال ہے، اس طرح جو استدلال ہم کر رہے ہیں وہ بھی مفہوم سے ہی سمجھ آ رہا ہے، لہٰذا ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ''حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ دلیل دعویٰ سے اخص ہے۔''

ان کا استدلال علت کے ساتھ استدلال کرنے کی قبیل سے ہے کیونکہ یہ صورت کہ ''میں نقد تمھیں یہ چیز دس درہم کی دیتا ہوں اور یہی چیز اُدھار پندرہ درہم کی دیتا ہوں۔'' دوسری بیع کی حرمت کی علت ''سود'' کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ اور اگر کوئی آدمی کوئی چیز ادھار اس وجہ سے موجودہ ریٹ سے زیادہ پر بیچتا ہے کہ پیسے تاخیر سے ملتے ہیں تو شروع سے ہی صرف ادھار کی وجہ سے چیز کو زیادہ قیمت پر بیچنا سود اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قسطوں کی بیع میں نقد قیمت سے زیادہ لینا اسی قبیل سے ہے تو پھر قسطوں کی بیع کیسے جائز ہوئی جبکہ وہ سود پر مشتمل ہے؟'' (احکام ومسائل ۲/ ۵۷۸، ۵۷۹)

اعتراض نمبر ۲:

نقد و ادھار کے فرق کے ساتھ قسطوں کی بیع، بیع سلف کی طرح ہے، جسے بیع سلم بھی کہتے ہیں، اس میں خریدار معینہ مدت جو کہ بسا اوقات کئی سال پر محیط ہوتی ہے، پہلے ہی قیمت ادا کر دیتا ہے، اور بعد میں چیز حاصل کرتا ہے، اس طرح مروجہ قیمت سے کم معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے، بیع سلف میں ادھار بیچنے والے کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ

قسطوں میں ادھار خرید نے والے کی طرف سے ہوتا ہے جب خریدار پیشگی رقم دے کر زیادہ سودا لینے کا مستحق ہوسکتا ہے تو دوکان دار پیشگی چیز دے کر زیادہ قیمت لینے کا مستحق کیوں نہیں ہوسکتا؟ پس جیسے بیع سلف جائز ہے، اسی طرح نقد وادھار کے فرق کے ساتھ قسطوں کی بیع بھی جائز ہے۔

جواب: سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

اولاً: یہ قیاس باطل قیاس ہے، کیونکہ یہ قیاس واضح حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) کے خلاف ہے، اور نص کے مقابلہ میں قیاس انتہائی مذموم ہے۔

ثانیاً: بیع کا عام قاعدہ ہے کہ جو چیز معدوم (غیر موجود) ہو، اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، البتہ بیع سلف اس قاعدہ سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے، جواز کے حامی علماء کرام میں سے فضیلۃ الشیخ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اسلام کا قاعدہ ہے کہ جو چیز معدوم ہو، اس کی خرید وفروخت نہیں کی جا سکتی، لیکن اقتصادی ضرورت اور معاشی مصلحت کے پیش نظر لوگوں کی سہولت کے لیے اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔'' (صحیح البخاری اردو، ترجمہ وفوائد حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ ۲/ ۵۵۷)

جو بیع خود عام قاعدہ سے مستثنیٰ ومخصوص ہو، اس پر کسی اور کو قیاس کرنا درست نہیں ہے، فضیلۃ الشیخ ابو محمد امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"بيع السلم شرع على خلاف القياس، لأنه بيع معدوم وهو منهي عنه إلا أن الشرع أباح السلم لحاجة الناس إليه فلا يقاس عليه غيره، ولأنه لا يلزم فيه زيادة الثمن بل يبيعه على السعر الحالي، ولا حاجة إلى القياس" ''بیع سلم خلافِ قیاس مشروع کی گئی ہے، کیونکہ یہ معدوم (غیر موجود) چیز کی بیع ہے اور ممنوع ہے مگر شریعت نے لوگوں کی ضرورت کی بنا پر بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے، تو اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جائے گا کیونکہ بیع سلم میں قیمت کا اضافہ لازم و

ضروری نہیں ہے، بلکہ (کبھی) فروخت کرنے والا چیز کو موجودہ قیمت پر فروخت کرتا ہے، پس قیاس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" (فتاویٰ الدین الخالص ۱۰/۴۹۳)

ثالثاً: ؎ ببین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

بیع سلم میں قیمت کا اضافہ لازم وضروری نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات فروخت کرنے والا چیز کو موجودہ بازاری قیمت پر فروخت کرتا ہے، فروخت کرنے والے کو قیمت پہلے مل جاتی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیز اس بیع میں اس کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے اور خریدار کو گارنٹی مل جاتی ہے کہ وقتِ مقررہ پر موجودہ چیز مل جائے گی اور یہ چیز اس بیع اس کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے، هذا ظاهر لمن له أدنى ممارسة فی البیع. پس معترض صاحب کی قیاسی عمارت زمین بوس ہوگئی ہے۔ فاندفع ما أورد وحصل المراد.

اعتراض نمبر۳: امام طاؤس، امام زھری، امام قتادہ، امام حکم بن عتیبہ، امام حماد بن ابوسلیمان، امام شافعی، امام ترمذی، امام قاسم بن سلام، امام بغوی، حافظ ابن عبد البر، علامہ خطابی اور ابن اثیر جزری رحمہم اللہ وغیرہ اسلافِ امت اس بات کے قائل تھے کہ قسطوں کی بیع میں جب نقد وادھار میں سے ایک کا تعین ہو جائے تو یہ بیع جائز ہے۔

جواب: اولاً: بہت سے علماء کے نزدیک تعین کی صورت میں یہ بیع جائز ہے، لیکن حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا واضح مفہوم دیکھا جائے تو تعین کی صورت میں بھی اس بیع کو جائز قرار دینا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ؏ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت ہماری

مزید یہ کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بیع میں دوسودے کرنے کو قیمت کے تعین اور عدم تعین کے فرق کے بغیر سود قرار دیا ہے، کما مر اور صحابہ کرام میں کوئی ان کا مخالف معلوم نہیں ہے، بعض علماء اسے اجماعِ صحابہ شمار کرتے ہیں، البتہ تابعین میں اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہے، امام محمد بن سیرین، قاضی شریح بن الحارث اور امام زین العابدین علی بن الحسین رحمہم اللہ اجمعین (علی ما کتب الشوکاني) نے اس

بیع کو حرام اور سود قرار دیا ہے، اور کئی تابعین نے تعین کی صورت میں اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

ثانیاً: جن علماء کرام نے نقد و ادھار میں سے ایک قیمت کے تعین کی صورت میں اس بیع کو جائز قرار دیا ہے، ممکن ہے کہ انھوں نے بیعتین فی بیعۃ کی دیگر صورتیں مراد لیں ہوں یا ان کے نزدیک حدیث کے الفاظ: ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) صحیح یا حسن سند سے ثابت نہ ہوں اور جواز کی بات نقل در نقل چلتی رہی ہو، لیکن حدیث کے صحیح ثابت ہونے کے بعد نقد و ادھار کے فرق کے ساتھ قسطوں کی بیع کے جواز کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ مجوزین میں سے ایک صاحبِ علم اس حدیث ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا.)) کی سند کو حسن بھی قرار دیتے ہیں اور سماک رحمہ اللہ سے مروی تفسیر کو بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن حدیث کے واضح مفہوم کو چھوڑ کر تعین کی صورت میں اس بیع کو جائز اور درست بھی قرار دیتے ہیں۔

معشوق ما بمذہب ہر کس برابر است

ثالثاً: وحی قرآن اور صحیح حدیث کا نام ہے، واضح صحیح حدیث کو چھوڑنا ہمارے بس میں نہیں ہے، حدیث کے واضح اور ظاہری معنی کے خلاف جتنے بھی علماء کے اقوال آ جائیں انھیں قبول نہیں کیا جائے گا، ثقہ امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱ھ) نے لوگوں کی طرف خط لکھا: "لا رأى لأحدٍ مع سُنة سنّها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کی موجودگی میں کسی کی کوئی رائے معتبر نہیں۔"

(التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة ح:۹۳۳۵)

فہم سلف صالحین کے ہم بھی قائل ہیں، لیکن علماء کے اقوال سے حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح معنی و مفہوم کو بدلنا اور حدیث کے واضح مطلب کو چھوڑنا قطعاً روا نہیں۔

ہمارے پاس الحمدللہ واضح حدیث بھی ہے اور فہم سلف صالحین بھی ہے۔ والحمد للہ علی ذلك

آخری قسط

سلیمان بن مسعود صاحب کی جہالتیں
بجواب علی زئی صاحب کی علمی خیانتیں

ابوالاسجد محمد صدیق رضا
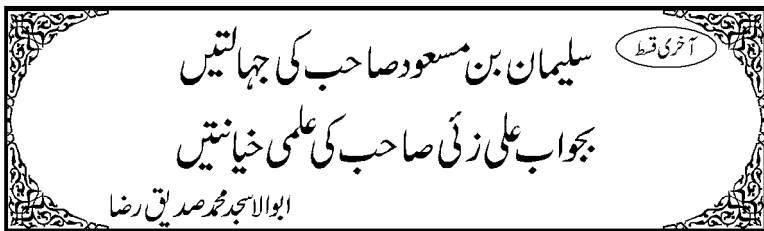
سلیمان صاحب: قارئین کرام غور فرمائیں کہ علی زئی کو اپنی خودساختہ غلط اصطلاحات ''محدثین کی عوام'' یا ''حدیث پر عمل کرنے والے عوام'' کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں۔

جواب:...... یہ خواب میں چھچھڑوں کی بات کرنے والوں کو جاگتے میں چھچھڑے نظر آرہے ہیں۔ خیانت والے چھچھڑے جو اپنے بہتان طرازی کے زور پر منوانا چاہتے ہیں۔ آخر بتائیں بھی تو سہی کہ کیا جتن کرنے پڑ گئے۔

(۱) کیا بانی فرقہ مسعود احمد کی طرح خیانت کی کوشش میں نکتے ڈال کر اپنے مذہب کے خلاف بات چھپا دی؟؟؟

(۲) اگر وہی بات مجبوراً مکمل پیش کی بھی تو اپنے خود ساختہ مذہب جدید کے خلاف جانے والی بات کا ترجمہ غائب کر دیا...... اسے کہتے ہیں جتن۔

(۳) یا بانی فرقہ کی طرح ابو الصلت جیسے کذاب راوی پر ساری جرحیں چھپا کر صرف امام ابن معین رحمہ اللہ کا قول وہ بھی کچھ چھپا کر کیوں کہ مکمل قول رجسٹرڈ فرقہ کے جدید میں صحیح قرار نہیں پاتا تو چھپا ڈالا اور ایک دوسرے امام کا قول وہ بھی مکمل پیش نہیں کیا...... یہ ہوتی ہے جتن۔ تفصیلات کے لئے ہمارا رسالہ ''نماز میں سکتات کا مسئلہ اور رجسٹرڈ فرقہ'' دیکھ سکتے ہیں۔ جن بیچاروں کو عربی کی آسان سی عبارات سمجھنے کے لئے بھی اپنے ٹھہرائے کافر و رجسٹرڈ فرقہ دشمن و مخالف صدیق رضا سے علمی مدد لینا پڑ جائے وہ اور ان کے فرقہ کے دوسرے علماء سمجھے جانے والے لوگ بیچارے کیا جانیں کہ امام ابن تیمیہ نے کیا فرمایا وگرنہ دیگر اہل علم حتی کہ اہل حدیث سے علمی اختلاف رکھنے بلکہ اس پر کتب

لکھنے والے علماء دیوبند میں سے ایک نامور ومعروف عالم مصنف کتبِ کثیرہ جو تقریباً ساٹھ سال تک علوم عربیہ کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث پڑھاتے رہے سرفراز خان صفدر صاحب نے بھی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس عبارت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور شیخ زبیر رحمہ اللہ کی کتاب سے پہلے کیا۔ (دیکھیے الکلام الفید ص 139؛ طائفہ منصورہ ص 38)

سلیمان صاحب: شیخ الاسلام نے تو اہل حدیث کی تین صفات بیان فرمائی ہیں جو تمام اہلحدیث کو شامل ہیں۔اس میں عوام اور خواص کی کی کوء تخصیص نہیں ۔ اور وہ صفات درج ذیل ہیں: (۱) جو اسے کما حقہ یاد رکھتا ہو۔ (۲) ظاہری و باطنی معرفت رکھتا ہو۔ (۳) باطنی وظاہری اتباع کرتا ہے۔

جواب: ...... کس قدر عقل وفہم سے کورے ہیں یہ رجسٹرڈ فرقہ کہ جدید مقلدینِ جامدین کہ اصل بات تو یہ ہے کہ عام لوگ جو حدیث پر عمل کرنے والے ''عاملین بالحدیث'' ہیں وہ اہل الحدیث ہو سکتے ہیں یا نہیں اس عبارت کے مطابق ہو سکتے ہیں ہمارے نزدیک بھی اور ان نا قابل مصنف اور ان کے ''پوسٹ مین'' کے نزدیک بھی۔

ثبوت کے لیے نمبر 10 ہی پر وضاحت دیکھ لیجیے گا کہ نا قابل مصنف نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول سے تین قسم کے لوگوں کو اہل حدیث کے مفہوم میں شامل رکھا اور تیسرے نمبر پر لکھا: (۳) ''باطنی وظاہری اتباع کرتا ہے۔'' اس تیسرے معنی کے لحاظ سے حدیث پر عمل کرنے والے عوام بھی اہل حدیث ہی ہیں خود امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مطابق۔

سلیمان صاحب: لیکن علی زئی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کے دوٹکڑے کر دیے۔ بلکہ ہر ذی عقل بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول اس باطل تقسیم کا ہرگز محتمل نہیں ۔۔ اگر اس طرح اہل حدیث کی تقسیم ہو سکتی ہے تو کل کوئی علی زئی جیسی سمجھ رکھنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس قول سے اہل حدیث کی تین قسمیں ثابت ہوتی ہیں۔

جواب: ...... شیخ زبیر علی زئی جیسی سمجھ آپ جیسوں کی قسمت میں کہاں باقی یہ سمجھ کچھ غلط نہیں الحمد للہ کیوں کہ تین صفات تو خود نا قابل مصنف نے بھی کر دیں رجسٹرڈ

فرقہ پرست سلیمان و پوسٹ مین نے ہر ایک صفت ایک قسم تو تین قسمیں ہو ہی گئیں ۔۔۔ گویا سخت سے سخت اور بغض سے بھرے خیانت کی تہمتیں لگانے والے دشمن نے بھی گواہی دے دی اور الفضل ما شھد به الاعداء

باقی اہل حدیث سے مراد عوام تو خود مسعود احمد بانی فرقہ اور ان کی تقلید میں رجسٹرڈ فرقہ بھی آج تک بیان کر رہے ہیں کتاب ''تلاش حق'' چھاپ چھاپ کر۔ ائمہ ومحدثین کی کتب کے حوالے دیئے جہاں جہاں اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث کے الفاظ آئے وہاں وہاں ترجمہ کرتے ہوئے ''عاملین بالحدیث'' لکھا۔ ان سبھی جگہ کو دیکھ لیں اس کتاب میں کیا ہر جگہ عربی کتب میں محدثین کے لئے ہی آئے ہیں اہل حدیث کے لفظ یا عوام کے لئے بھی

بانی فرقہ نے تو خود لکھ رکھا ہے: ''علامہ ذہبی رح کا تذکرۃ الحفاظ پڑھیے دیکھیے ہر زمانہ میں کتنے علماء عامل بالحدیث تھے۔ علامہ ذہبی رح بیسیوں علماء کے نام گناتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے حالات لکھتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے بڑے حفاظ تھے نہ معلوم اور کتنے ہوں گے جن کے نام امام ذہبی رح کو معلوم نہ ہوئے ہوں اور پھر کتنے لوگ ہوں گے جو ان کے حلقہ اثر میں ہوں گے۔ غرض بیشمار لوگ ہر زمانہ میں عامل بالحدیث تھے۔ (تلاش حق ص 39)

حفاظ حدیث علماء کے حلقہ اثر میں لوگ عوام نہیں تو اور کون ہیں ۔۔۔ ہر زمانے کے بیشمار لوگ عاملین بالحدیث جو ہیں اصل کتاب اٹھا کر دیکھ لیں امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہیں عاملین بالحدیث بھی لکھا ہے یا اہل الحدیث و اصحاب الحدیث لکھ رکھا ہے جس کا ترجمہ مسعود صاحب نے عاملین بالحدیث کر کے نادانستگی ہی میں سہی واضح کر دیا کہ اہل الحدیث و اصحاب الحدیث سے صرف محدثین ہی نہیں بلکہ حدیث پر عمل کرنے والے بھی ہیں آپ اپنے فرقہ پرست امام و بانی فرقہ کی عقل کو بھی دوش دیجیے گا۔ لیکن نہیں! خیانتوں کی تہمت لگانے والوں میں ایسا انصاف کہاں۔

دین اسلام میں داخل ہونے (کے ثبوت) کا بیان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۸۵)

''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ (آل عمران : ۱۹)

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

(الانعام : ۱۵۳)

''اور یقیناً میرا سیدھا راستہ یہی ہے، سو اس پر چلو اور کئی راستوں پر مت چلو، پس وہ اس کے راستے سے تمھیں جدا کر دیں گے۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں (آیت میں) اَلسُّبُلُ سے مراد: بدعات اور شبہات کے راستے ہیں۔(سندہ ضعیف، ابن جریر الطبری فی تفسیرہ : ۸/ ۸۸ من طریق عبداللہ بن أبی نجیح عن مجاھد بہ۔ التفسیر المنسوب الی الامام

مجاهد : ١/ ٢٢٧ ، عبدالله بن أبی نجیح مدلس و عنعن وقیل إنه أخذه من قاسم بن أبی بزة (ثقة) والله اعلم)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے ہمارے اس دین میں ایسا نیا کام ایجاد کیا جو اس میں نہ تھا تو وہ مردود ہے۔''

اس روایت کو امام بخاری و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے بیان کیا ہے۔(صحیح البخاری : ٢٦٩٧ ، صحیح مسلم : ١٧/ ١٧١٨)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جس شخص نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تھا تو وہ (عمل) مردود ہے۔'' (صحیح مسلم ایضاً : ١٧/ ١٧١٨ ، و علقه البخاری قبل ح ٧٣٥٠-٧٣٥١)

اور صحیح البخاری میں ہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے (جنت جانے سے) انکار کیا۔'' کہا گیا (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کون انکار کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً اس نے (جنت جانے سے) انکار کر دیا۔''(صحیح البخاری : ٧٢٨٠)

صحیح البخاری میں ہی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین (طرح کے) لوگ ہیں: حرم (میں حدود اللہ) کی بے حرمتی کرنے والا، اسلام میں جاہلانہ رسوم کا طلب گار اور ناحق کسی مسلمان آدمی کے خون کا آرزومند تاکہ وہ اس مسلمان کا خون بہائے۔''(صحیح البخاری : ٦٨٨٢)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''سنة جاهلیة'' سے مراد ہر قسم کی جاہلیت ہے جو رسولوں کی لائی گئی تعلیمات کے مخالف ہو، مطلق ہو یا مقید، کسی بھی شخص میں ہو خواہ وہ اہل کتاب ہو یا بت پرست وغیرہ۔

صحیح البخاری میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: اے قراء کی جماعت! ثابت قدمی اختیار کیے رکھو، یقیناً تم بہت زیادہ سبقت لے گئے ہو، اگر تم دائیں بائیں چلنا شروع ہو گئے تو بلاشبہ بہت دور کی گمراہی میں ہلاک ہو جاؤ گے۔(صحيح البخاري : ٧٢٨٢)

امام محمد بن وضاح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ (سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ) مسجد میں داخل ہوتے تو نالی پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: پھر (محمد بن وضاح نے) حدیث ذکر کی۔ (سنده ضعيف، انظر كتاب البدع والنهى عنها لمحمد بن وضاح (١٧، نسخة اخرى : ١٣ بتحقيق بدر بن عبدالله البدر)، السنة للمروزى : ٥٧) فيه علل منها الأعمش مدلس وعنعن والحديث السابق يغنى عنه.

اور فرماتے ہیں کہ ہمیں (اس بات کی) خبر دی (سفیان) ابن عیینہ نے، انھوں نے مجالد سے، انھوں نے شعبی سے، انہوں نے مسروق سے (وہ فرماتے ہیں): عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: نہیں، کوئی بھی سال مگر بعد والا (سال) اس سے بدتر ہوگا، میں یہ نہیں کہتا کہ (پہلا سال دوسرے سے) زیادہ بارش والا ہوگا نہ (پہلا سال دوسرے کی نسبت) زیادہ خوش حالی و شادابی والا ہوگا۔ نہ (یہ کہتا ہوں کہ) امیر (دوسرے) امیر سے بہتر ہوگا، بلکہ (میری مراد یہ ہے کہ) تمہارے علماء اور (قوم کے) بہترین لوگوں کا دنیا چھوڑ جانا، پھر (ان کے بعد) ایسے نئے لوگ آئیں گے جو معاملات (دینی مسائل) کو اپنی آراء پر قیاس کریں گے، چنانچہ وہ اسلام (کی عمارت) کو ڈھا دیں گے اور دراڑیں ڈال دیں گے۔(سنده ضعيف، البدع والنهى عنها (٨١، نسخة أخرى : ٧٨) سنن الدارمى (١/ ٧٦، ح ١٨٨) مجالد بن سعيد ضعيف، ضعفه الجمهور (انظر مجمع الزوائد : ٩/ ٤١٦)

صاحب علم وبصیرت کے لیے لمحہ فکریہ

ابو احمد وقاص زبیر مدرس جامعہ سلفیہ اسلام آباد

امام مالک بن انس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مشہور فقیہ مدینہ امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن المعروف ربیعۃ الرای (متوفی 136ھ) رحمہ اللہ نے امام ابن شہاب زہری ؒ سے فرمایا: "إن حالتي ليس تشبه حالك، أنا أقول برأي، من شاء أخذه، وأنت تحدث عن النبي ﷺ فتحفظ، لا ينبغي لأحد يعلم أن عنده شيئا من العلم يضيع نفسه". میری حالت آپ کی مانند نہیں، میں اجتہاد اور رائے سے ایک بات کہتا ہوں جس کا جی چاہتا ہے قبول کر لیتا ہے، جبکہ آپ تو نبی کریم ﷺ سے احادیث وروایات بیان کرتے ہیں جنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے، کسی شخص کے لائق نہیں جو جانتا ہو کہ اس کے پاس علم وبصیرت میں سے کچھ ہے تو وہ اپنے آپ کو ضائع کر دے۔ (التاريخ الكبير للبخاري: ۳/۲۸۷ وسنده صحيح، مزید دیکھیے، المدخل إلى السنن للبيهقي: ۱۷۸۹، الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب: ۷۳۵) امام ربیعہ ؒ مدینہ طیبہ کے نامور امام، مجتہد اور مفتی تھے، امام زہری ؒ کو نصیحت کے وقت عاجزی اور کسر نفسی کا اظہار کر رہیں ورنہ آپ خود بھی حدیث وسنت کا گہرا فہم رکھنے والے تھے۔ جیسا کہ امام عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ الماجشون المدنی (متوفی ۱۶۴ھ) ؒ فرماتے ہیں: "لما جئت العراق جاءني أهل العراق فقالوا: حدثنا عن ربيعة الرأي. قال: فقلت: يا أهل العراق تقولون: ربيعة الرأي! لا والله، ما رأيت أحدا أحوط لسنة منه". جب میں عراق گیا تو اہل عراق آکر کہنے لگے ہمیں ربیعہ سے احادیث بیان کریں۔ میں نے کہا: اے اہل عراق! تم انہیں ربیعہ رائے کہتے ہو! اللہ کی قسم! ایسا نہیں، حدیث کے روایت کرنے میں ان سے بڑھ کر محتاط میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (المعرفة والتاريخ للفسوي: ۱/ ۶۷۲، تاريخ بغداد: ۹/ ۴۱۸، وسنده صحيح) اس عظیم نصیحت سے چند اسباق معلوم ہوتے ہیں: 1۔ حصول علم کی صلاحیت، حفظ، فہم اور بصیرت سے بہرہ مند شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ طلب علم میں خود کو مشغول رکھے، محنت کرے اور خود کو ضائع ہونے سے بچائے۔ 2۔ صاحب علم کو چاہیے کہ علم کی نشر واشاعت اور تعلیم وتدریس پر خوب محنت کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسی طرح دنیا سے چلا جائے اور اس کا علم بھی ساتھ ہی رخصت ہو جائے ایسے میں گویا اس نے خود کو ضائع کر کے چھوڑ دیا۔ 3۔ صاحب علم کا اپنے علم پر تکبر وغرور کرنا کسی طور پر درست نہیں اس طرح وہ دوسروں سے سیکھنے کے مواقع کھو دے گا اور خود کو ضائع کر بیٹھے گا۔ 4۔ صاحب علم کو عطا کردہ علم کی تعظیم وقدر کرنی چاہیے اور اپنا مقام ومرتبہ پہچاننا چاہیے۔ دنیا اور اہل دنیا کی خوشنودی کے حصول کی کوشش جہاں اس کی ساکھ تباہ کر دے گی وہیں اس کو ضائع بھی کر دے گی۔ 5۔ امام بخاری ؒ نے بھی اس عظیم نصیحت کو تعلیقا اور مختصر (قبل حدیث: ۸۰) ذکر فرمایا ہے اور بایں الفاظ میں باب قائم کیا: باب رفع العلم وظهور الجهل علم کے اٹھ جانے اور جہل کے پھیل جانے کا بیان۔ گویا صاحب علم کے لیے ہر اس عمل سے اجتناب ضروری ہے جس سے وہ خود ضائع ہو جائے اور علم کے خاتمے اور جہالت کے پھیلاؤ جیسے قبیح جرم میں ملوث ہو جائے۔ واللہ المستعان۔ دیکھیے: (شرح صحيح البخاري لابن بطال: ۱/ ۱۶۵، فتح الباري لابن حجر: ۱/ ۱۷۸، المدخل إلى السنن للبيهقي: ۱۷۸۶)